علمی، تحقیقی ادبی فکروں کا بے باک ترجمان

ماہنامہ

الماس

اردو سہ ماہی

مدیر

مفتی شرف الدین عظیم الاعظمی

معاون مدیر

مولانا حفظ الرحمن اعظمی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

علمی، ادبی اور تحقیقی فکروں کا ترجمان

ماہنامہ الماس ممبئی

جلد نمبر: ۱ ذی القعدہ ۱۴۴۲ھ مطابق جولائی ۲۰۲۱ء شمارہ نمبر: ۲

سرپرست

مولانا شفیق احمد قاسمی امام وخطیب عرب امارات

مدیر تحریر: مفتی شرف الدین الاعظمی

معاون مدیر: مولانا حفظ الرحمن الاعظمی

مجلس مشاورت

مفتی ارشد صاحب شیروانی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ضیاء الحق خیرآبادی، منظر خیامی، مولانا مفتی ذیشان قاسمی، عامل صدیقی

مجلس ادارت

مولانا محمد عرفات اعظمی، مفتی شکیل منصور قاسمی، مفتی رضوان قاسمی، مفتی عبید اللہ شمیم اعظمی، مولانا قمر الحسن مہراج گنج، مولانا سرفراز قاسمی، مولانا سالم سریانوی، مولانا عبداللہ اعظمی

تزئین: خورشید احمد الاعظمی

ناشر: ادارہ علم وادب انوار مسجد شواجی نگر گوونڈی ممبئی

Mob: 8767438283, 7905452498, 9336482291

اس شمارے میں

نعت	شہہ کونین سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ڈاکٹر قاضی سراج اظہر	۴
اظہار احساس	اپنی بات	ادارہ	۵
اداریہ	آئینۂ ایام	مدیر	۶
سوانحی خاکہ	حضرت مولانا حبیب الرحمنؒ...	مولانا شمشیر حیدر	۱۳
مقالات ومضامین	عید قربان کا پیغام	مفتی عبید اللہ شمیم قاسمی	۱۶
// //	وحدتِ اسلامی	مفتی شکیل منصور القاسمی	۲۲
// //	حسنِ قرأت وتجوید	ڈاکٹر سمیہ ریاض فلاحی	۲۸
// //	اسلام میں تعلیم کی اہمیت	عامل صدیقی	۳۸
گوشۂ ادب	انا کے سائے	مفتی شرف الدین عظیم قاسمی	۴۱
//	افسانہ نما	ثالث ادیبی	۴۴
احوال عالم	مسئلۂ فلسطین	ہمام احمد صدیقی ایڈوکیٹ	۵۰
علوم اکابر	تحذیر الناس.....	مولانا حفظ الرحمن اعظمی	۵۵
تبصرہ کتب	الیاس اعظمی بحیثیت ...	شرف الدین عظیم	۶۴
مراسلات	قارئین کے خطوط		۷۳
خوشخبری			۷۵

نعتِ شہہِ کونین سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر قاضی سراج اظہر*

کچھ تو ایسا اپنے جینے کا قرینہ ہوگیا
جان مکّہ ہوگئی ہے دل مدینہ ہوگیا

نُور پایا نُور سے نُورالہدیٰ کی شان ہے
نُورِ حُبِّ مصطفیٰ سے پُر یہ سینہ ہوگیا

ہے معطّر ارضِ یثرب، چل رہی بادِ صبا
بُوئے گُل، سرکار کا یعنی پسینہ ہو گیا

صحبتِ ذکرِ نبی کا فیض ہے جو کچھ بھی ہوں
نقشِ پائے شاہِ والا کا میں زینہ ہوگیا

شان اُس ذرّے کی جو ہے خاکِ پائے مصطفیٰ
آپ کے قدموں میں آکر جو زرینہ ہو گیا

عشقِ احمد نے سیکھایا ناخدائی کا عمل
بحرِ عِصیاں سے الگ اپنا سفینہ ہو گیا

کیا بتاؤں اُنکے جلوے قلبِ اظہر میں ملے
دل میرا تھا سنگ ریزہ اب نگینہ ہوگیا

---

* فلنٹ، مشیگن، امریکہ

اپنی بات

نائب مدیر

نہ توکل ہم نے یہ دعوی کیا تھا کہ فکری کائنات میں اس رسالے کے ذریعے تاریخی کارناموں کی دنیا آباد ہوگی اور نہ ہی آج یہ اعلان کررہے ہیں کہ ہم نے الماس کا ایک شمارہ نکال کر علمی فتوحات کے سارے معرکے سر کرلئے ہیں اور یہ دعوی کیا بھی نہیں جاسکتا کیونکہ یہ تو آغاز سفر ہے، ہم نے ابھی قدم آگے بڑھانے کا شعور سیکھا ہے، ولولوں اور امنگوں نے ابھی انگڑائی لی ہے، جذبات وتوقعات کا جہان نیا نیا آباد ہوا ہے۔

علمی دنیا کی بے کراں وسعت میں الماس کی صدائے جرس اور آوازۂ حق کے لیے ابھی ایک طویل سفر درکار ہے اور ہم اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ سفر میں مشکلیں درپیش آئیں گی، خدشات کی گھنگھور گھٹائیں اور ناامیدی کی سرکش ہوائیں ہزار بار ہمارا راستہ روکنے کی کوشش کریں گی لیکن ہمیں اپنی شکستہ تحریروں سے زیادہ اپنے قارئین کے پاکیزہ ذوق پر اعتماد ہے کہ اس طویل سفر میں ان کی دعاوں کا تحفہ ہمارے لئے شجر سایہ دار ثابت ہوگا جو بفضل ایزدی ہمیں پہلے روز سے حاصل بھی ہے۔

جون کے شمارے کو علمی حلقوں میں جس انداز کی پذیرائی حاصل ہوئی وہ ہماری توقع اور امید سے کہیں زیادہ تھی اور ہمارے لیے سب سے زیادہ خوشی کی بات یہ ہے کہ دینی تعلیم گاہوں کے ساتھ ساتھ عصری دانش کدوں کے افراد نے بھی رسالے کو پسند کیا قدر کی نگاہ سے دیکھا۔

مدیر محترم کی کوشش اور رسالے کا نصب العین بھی یہی ہے کہ ہر ماہ شائع ہونے والی تحریریں کسی ایک زاویۂ فکر کی ترجمان نہ ہوں جس سے رسالہ اس فکر کا آرگن بن کر رہ جائے، بلکہ تحریروں میں کچھ ایسا تنوع ہو کہ کالج و یونیورسٹی کے فارغین اور مدارس عربیہ کے فضلاء بیک وقت استفادہ کرسکیں۔

آئینہ ایام

مدیر: شرف الدین عظیم

عیدالاضحیٰ کا پیغام

عشق کی یہ خاصیت ہے کہ وہ محبوب کی ایک اک ادا کو جاں نواز بنا دیتا ہے، زندگی اس کے چشم ابرو پر نثار ہو جاتی ہے، اس کے ایک اشارے پر سرمایہ حیات کا لٹ جانا بھی عاشق کے لئے فخر وسعادت سے کم نہیں، اس کوچے میں عقل وخرد کا گذر نہیں ہے، یہاں صرف جنون کی حکمرانی ہے، اس کشور سنگلاخ میں وارفتگی و دیوانگی کی فرمانروائی ہوتی ہے، عشق کی حرارت سے معمور ایک دیوانہ جب اس راہ پر قدم رکھتا ہے تو سود وزیاں سے بے خبر پروانہ وار بڑھتا چلا جاتا ہے اور پھر اثاثہ زندگی قربان کر کے وقت کے سینے پر عشق ووفا کی داستان رقم کر جاتا ہے۔ صدیوں پہلے ۱۸۱۰ /قبل مسیح میں عراق کے اوز نامی بستی میں پیدا ہونے والے ایک جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عشق نے شاہراہ زندگی کے ایک اک قدم پر وارفتگی وجانثاری کے جو نقوش ثبت کئے ہیں وہ عشق کا ایک ایسا سنہرا باب ہے جس کی مثال سے آج تک دنیا خالی ہے، وارفتگی اور وفا کی وہ داستان ہے جس کی نظیر سے تاریخ کے اوراق خالی ہیں۔ محبوب کی منشا ہوئی، تو اس عاشق خدا نے صنم خانے میں اس کے نام کا نعرۂ توحید بلند کیا، بت خانے میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کی صدا لگائی، اس کی مرضی ہوئی تو وجود کو دہکتے ہوئے آگ کے شعلوں میں جھونک دیا، اس کا حکم ہوا تو وطن کو خیر باد کہہ دیا، پھر زندگی کی آخری منزل میں اشارہ

ہوا کہ جادۂ الفت کا تقاضا ہے کہ زندگی کی سب سے قیمتی متاع بھی نثار ہو جائے۔

آزمائش کی یہ راہ ایسی نہ تھی کہ آسانی سے اس پر زندگی اپنا قدم رکھ دے، یہ امتحان اپنی ذات سے متعلق نہیں بلکہ اس لخت جگر سے وابستہ تھا جو سالہا سال کی آرزوؤں اور تمناؤں کا نتیجہ تھا، ذہن ودماغ سے لیکر شعور وعقل تک کی ساری مملکت عالم تحیر میں ہیں، مگر عشق کی ایک وسیع کائنات تھی اور جنون ووفا کا ایک بحر بیکراں تھا جس نے مطلوبہ متاع حیات کو بھی منیٰ کی وادی میں قربان کر کے قیامت تک دنیائے انسانیت کے لیے الفت ومحبت، دیوانگی ووارفتگی ،سرافگندگی وجاں سپاری اور عشق ووفا کی بے نظیر مثال قائم کردی۔

عید الاضحیٰ کے موقع پر قربانی دراصل اسی اطاعت شعاری، وفا شعاری، الفت ومحبت، عشق ومستی اور خداوند عالم کے ایک اک حکم پر جاں نثاری کا پیغام ہے، یہ لمحہ مبارک صرف ایک رسمی تیوہار نہیں بلکہ عبدیت، اطاعت، سرافگندی، وارفتگی، وفا شعاری اور اخلاص وپاکیزگی میں ڈھلی ہوئی بندگی کا مظہر بھی ہے، اور ایمان ویقین، اطاعت وفرمانبرداری، اور جذبۂ عمل کی بیداری کا وقت بھی۔ کہ خدا کی راہ میں مویشیوں کو قربان کر کے انسان یہ عہد کرے کہ زندگی کی تمام ساعتیں معبود حقیقی کے نام کردی جائیں گی، اس کی اطاعت کی راہ میں نفسانی خواہشات بھی قربان ہوں گی اور دنیا کی آسائشوں کے لئے جدوجہد کے تمام دشت وصحرا بھی، اس کے احکامات کی تعمیل میں مناصب بھی قربان ہوں گے اور عہدے بھی، مادی اثاثے بھی نثار ہوں گے اور پست جذبات کے ماتحت دنیوی تعلقات کے نخلستان بھی، اس عظیم الشان عید قربان کا یہی تقاضا ہے کہ زندگی سراپا بندگی بن جائے، انسانی وجود خدائے واحد کا شاہراہ حیات کے ہر لمحے میں پرستار ہو جائے، دنیا کی منفعت اس کے حکم کے آگے بے حیثیت ہو جائیں، قلب ونظر اس کی اطاعت وعبادت سے سرشار ہو جائیں، نفسانی مملکت، اور خواہشات کے

جزیرے اس کی وفا کے سمندر میں اس طرح غرق ہوجائیں کہ زندگی کی تمام نقل وحرکت اسی کے محور عشق کے گرد گردش میں آجائے۔ جذبات کی یہ دنیا اگر اس مقدس لمحے میں رونما ہوجائیں، عزم جواں کے شراروں سے قلب کی دنیا اگر روشن ہوجائے، اور اطاعت شعاری و وعدہ وفا روح میں اتر جائے تو بالیقین انسان کامیاب وکامران ہے بصورت دیگر قربانی کا یہ عمل ،ظاہری عبادت ہر چند ہوگی مگر روح سے بھی اس کا رشتہ موجود رہے ایسا ممکن نہیں ہے، کہ خدا کے یہاں قربان ہونے والے جانوروں یا اس کے کسی حصے کی رسائی نہیں، اس دربار اعلیٰ مقام میں تو صرف جذبات واحساسات پہونچتے ہیں۔ لن ینال اللہ لحومہا ولا دماءھا ولکن یناله التقویٰ منکم. (الحج آیت:۳۷)

* * * * *

رونالڈ کا عمل مسلم حکمرانوں پر طمانچہ

اہل فلسطین پر اسرائیل کی وحشیانہ سفاکیت ، ظالمانہ بربریت اور غاصبانہ کارروائی کا بدترین عمل سات دہائیوں کو عبور کر چکا ہے اور تا حال اسی شدومد کے ساتھ جاری ہے، ایک ماہ پہلے اس نے طاقت کے زور پر شیخ الجراح کے علاقہ پر ظالمانہ طریقے سے قبضہ کی کوشش کی مگر حماس کے جانبازوں نے سیکڑوں قربانیاں دے کر اس کی کوششوں کو ناکام بنادیا، اقوام متحدہ کے ذریعے جنگ بندی پر معاہدہ ہوا، مگر طاقت کی زبان سمجھنے والوں کو اخلاقی زبان راس نہیں آتی، وہ طاقت کے نشے میں ہمیشہ انسانی حقوق کو پامال کرتے رہتے ہیں، اسرائیل کی احسان فراموشی اور اس کی بدترین جارحیت ساری دنیا پر عیاں ہے، سو اس نے چند روز قبل پھر غزہ پر حملے کر کے حیوانیت کا ثبوت دیا ہے، اس عمل پر تو عالم اسلام پر ماضی کی طرح اب بھی کوئی اثر نہیں ہوا، ہاں غیروں میں ایک فرد نے

اپنے انسانی عمل کے ذریعے اس کی معیشت پر کاری ضرب لگا کر عرب حکمرانوں اور اہل زر پر زناٹے دار طمانچہ رسید کیا ہے، پرتگال کے انٹرنیشنل اور مشہور و معروف فٹ بال کھلاڑی کرسٹیانو رونالڈ مسلم نہیں ہیں وہ غیر مسلم عیسائی ہیں مگر انسانیت رواداری اور انصاف وامن کے تصور پر وہ یقین رکھتے ہیں اور اسی تصور کی بنیاد پر انھوں نے ہنگری کے دارالحکومت بوداپیسٹ میں فٹ بال ٹورنامنٹ میں ایک پریس کانفرنس میں کوکا کولا کا اسرائیلی مشروب پینے سے انکار کر کے جہاں انسانی ہمدردی کا ثبوت دیا ہے وہیں اسرائیل کی جارحیت پر بھی اعلانیہ مہر تصدیق ثبت کر دی ہے، ان کے اس بائیکاٹ سے کوکا کولا کمپنی کے شیئر کی قیمت لمحوں میں نیچے آ گئی اور کمپنی کو ایک روز میں چار ارب ڈالر کا نقصان اٹھانا پڑا۔

تصویر کا دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ مسلم دنیا یہ جاننے کے باوجود کہ پیپسی اور کوکا کولا کے تمام مشروبات کی زیادہ تر قیمتیں اسرائیل میں جاتی ہیں اور فلسطین کے خلاف ظلم وتشدد میں استعمال ہوتی ہیں، کبھی اپنی زندگی کو ان مشروبات سے ایک لمحے کے لیے الگ نہیں کیا، ایک اندازے کے مطابق دنیا میں سب سے زیادہ خلیجی ممالک میں اس کی تجارت ہوتی ہے، دولت نے انہیں اس قدر اندھا کر دیا ہے کہ کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آتا ہے کہ اگر ہم مظلوموں کے لئے اور کچھ نہیں کر سکتے ہیں تو کم از کم اتنا تو کر لیں کہ اسرائیل کے اس پروڈکٹ کو اپنی زندگی سے نکال کر اس کی معیشت کی پستی کا سبب بن جائیں، لیکن المیہ ہے کہ قومیں جب بے حس ہو جاتی ہیں تو ہلکی سرزنش، اور رونالڈ جیسے انسانی کردار کے طمانچے نیندوں کا فسوں توڑ نہیں پاتے ہیں اس کے لئے طوفان کی ضرورت ہوا کرتی ہے۔

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیری بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

*****

میڈیا کا متعصّبانہ رویہ

ملک کی آزادی مسلمانوں کے لیے نعمت تھی یا زحمت، ستر سال پر محیط حکمرانوں اور سیاسی رہنماؤں کے کرداروں کی روشنی میں بالکل واضح ہے، اس قوم کو حاشیے پر لانے کے لئے جتنی تدبیریں ہوسکتی تھیں سب کو اختیار کیا گیا، مگر یہ وہ قوم نہیں تھی کہ چند دہائیوں میں صفحۂ ہستی سے مٹ جائے، مگر دو دہائیوں سے دہشت گردی کا جو حربہ استعمال کیا گیا وہ اس قدر کارگر ہوا کہ خود ان ستم گروں کے تصور میں بھی نہیں رہا ہوگا، اب تک دہشت گردی کے بہانے سے یہ سلسلہ جاری تھا۔

مگر چند روز قبل مولانا عمر گوتم اور مولانا جہانگیر کو لکھنؤ سے اے ٹی ایس نے اس جرم میں گرفتار کیا ہے کہ ان دونوں حضرات کی دعوت پر ایک ہزار ہندوؤں نے اسلام قبول کیا ہے، نظریات کی اشاعت کے حوالے سے عوام کا جو جمہوری اور بنیادی حق ہے اسی حق کو اعلانیہ فرد جرم قرار دینے کے فسطائی عمل سے ملک کی فرقہ وارانہ فضا کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

زرخرید میڈیا نے نفرت وعناد اور جبر وتشدد کے اس خاکے میں مرکزی کردار ادا کرکے مزید اپنے فرض کو پامال اور انصاف وعدالت کا خون کیا ہے۔ اور اب بھی وہ پوری ہٹ دھرمی اور بے شرمی کے ساتھ نفرت وتعصب کی تجارت میں مشغول ہے، اس کی زندہ مثال بے قصور نوجوانوں کی گرفتاری پر انہیں دہشت گردی کی فہرست میں شامل کرنے کا عمل ہے، اور ان کا شور وغوغا ہے کہ زیر حراست اقلیتی نوجوان دہشت گرد ہیں، جو ذمہ داری عدالت کی تھی، اور جس جرم والزام کی حق وصداقت سے متعلق تفتیش اور فیصلہ کورٹ سے متعلق ہے میڈیا کا یہ ڈپارٹمنٹ خود جج بن کر مسلم نوجوانوں کے بارے میں فیصلہ کردیتا ہے، اور جوانی کی پوری مدت گذارنے کے بعد جب رہائی کا پروانہ ہاتھ آتا ہے تو وہی

میڈیا خاموشی اختیار کر لیتا ہے، یہ رویہ کس قدر خطرناک کتنا متعصّبانہ اور کس قدر ظالمانہ ہے اس پر مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے، میڈیا کے انتہا پسندانہ کردار، مذموم مقاصد اور سازشی پالیسیوں کو طشت از بام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ملک کی تنظیمیں کھڑی ہوں اور بڑے پیمانے پر خود اس شعبے کا قیام عمل میں لائیں ،نفرتوں کے اس ماحول میں متمول لوگوں کو بیدار کر کے اس کی طرف زمینی لحاظ سے قدم بڑھانا وقت کا اہم تقاضا ہے۔

*****

اقتدار کی غیر فطری اور غیر جمہوری پالیسی

ہندوستان کی حکومت معاشی اعتبار سے ہر چند بہت مضبوط نہیں ہے،لیکن مفلوک الحال بھی نہیں ہے،عوام کی بنیادی ضروریات کے سلسلے میں حکومت کتنی سنجیدہ ہے، ہر فرد جانتا ہے، اس کے باوجود اتر پردیش کی حکومت کو یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ بڑھتی ہوئی آبادی ملک کی پسماندگی کا سبب ہے اسی فکر میں ارباب اقتدار نے ہم دو ہمارے دو کا منصوبہ بنایا ہے، اس سے پہلے آسام کے وزیر اعلی کی طرف سے بھی اس طرح کی آواز اٹھ چکی ہے، ذہن ودماغ جب تعصب کے شعلوں میں جل اٹھتے ہیں تو شعور وبصیرت فنا ہوجاتی ہے، مخالفت، سود و زیاں کا احساس ختم کر دیتی ہے، اسی عصبیت اور مسلم دشمنی کی مثال حالیہ دنوں میں نظر آئی، کہ یوپی میں سنتوں کی سب سے بڑی تنظیم اکھل بھارتیہ اکھاڑا پریشد کے صدر مہنت نریندر گری نے حکومت کے مذکورہ منصوبے کی حمایت کرتے ہوئے بیان دیا ہے کہ دو سے زیادہ بچوں والی فیملی کو ووٹنگ

سے محروم کردیا جائے، یہ تصور جہاں غیر فطری ہے وہیں جمہوریت کے بھی خلاف ہے،اس ملک میں اقلیتوں کے علاوہ اکثریت کی پنچانوے فیصد فیملی دو بچوں سے زیادہ پر مشتمل ہے،اس صورت میں کیونکر یہ پلاننگ کامیاب ہوگی،مگر اسلام دشمنی اور انتہاپسندی کی لہروں میں بہنے والے اس زمینی حقیقت سے کیسے باخبر رہ سکتے ہیں، ملک میں امن وامان،اور معاشی واقتصادی ترقی کے لئے پورا میدان خالی ہے مگر انہیں اس سے سروکار نہیں ہے، کاش ان کے دلوں میں بھی انصاف وعدالت اور انسانیت و رواداری کی کوئی ہلکی سی شمع جل اٹھتی تو ملک امن کی راہ پر گامزن ہوجاتا۔

*****

دعائے صحت

ماہنامہ الماس کی مجلس ادارت کے اہم رکن، مشہور ومعروف قلم کار" **حضرت مولانا سرفراز احمد صاحب**" زید مجدہم کی طبیعت ان دنوں ناساز ہے، حیدر آباد کے ایک ہاسپٹل میں زیر علاج ہیں۔

رسالے کے قارئین سے درخواست ہے کہ مولانا کی صحت کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ صحت کاملہ عاجلہ نصیب فرمائے۔آمین

حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمیؒ کی رحلت

ایک عظیم سانحہ

شمشیر حیدر قاسمی*

یا اللہ رحم فرما! بڑا مشکل وقت ہے، ہر طرف افسردگی کا عالم ہے، علمی دنیا میں عجیب ہلچل ہے، آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ "یقبض العلم بقبض العلماء" نے رخ سے اپنا نقاب اٹھالیا، ہر روز دلدوز خبریں پردۂ سماعت سے ٹکرا رہی ہیں، رنج والم کا طوفان برپا ہے، جو بادکش تھے پرانے، ایک ایک کر کے رخصت ہوتے چلے جارہے ہیں، ہائے افسوس! کورونا مہاماری کے اس ایک سالہ مدت میں ہم نے کتنوں کو کھودیا، کیسی کیسی عظیم ہستیوں نے ہم سے منہ موڑلیا، اف!! کتنے ہی آسمان علوم ومعارف کے خورشید مبین نے اپنی ضیاپاش کرنوں سے ہمیں محروم کردیا، ابھی کتنے دن ہوئے تھے کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے مایۂ ناز استاذ اردو و عربی زبان کا قابل فخر سرمایہ، عربی زبان کا عظیم شاہکار، ماہنامہ الداعی کے ایڈیٹر حضرت مولانا نور عالم صاحب خلیل امینی نے اس عالم فانی کو الوداع کہا اور مالک حقیقی کی بارگاہ میں اپنے لئے جائے استراحت متعین کرلیا، ہم جیسے تشنگان علم کے لئے یہ صدمہ کوہ الم کے ٹوٹنے سے کسی قدر کم نہیں تھا، علمی حلقے میں اس حادثۂ فاجعہ کی گھن گرج ابھی اپنے شباب پر ہی تھی کہ حضرت الاستاذ، مؤرخ اسلام، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند کے ایڈیٹر حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ کی انتقال پر ملال کی خبر نے کہرام مچادیا، اہل علم کے حلقوں میں صف ماتم بچھ

* مدرسہ مقصود العلوم، رامپور، میری گنج، ارریہ، بہار

گئی، ہزاروں آنکھیں چھلک پڑیں، حزن وملال کے تیرہ وتار ماحول میں زبان حال پہ یہ شعر جاری تھا:

ویراں ہے میکدہ خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

حضرت مولانا حبیب الرحمان اعظمی نور اللہ مرقدہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے نامور اساتذہ میں سے تھے، مولانا نہایت ہی صاف ستھرے ذوق کے حامل، باوقار عالم دین تھے، حدیث، تفسیر اور تاریخ کے میدان میں اللہ تبارک وتعالی نے آپ کو خاص ملکہ عطا فرمایا تھا، طلبہ دارالعلوم دیوبند مولانا کے درس میں پروانہ وار حاضر ہوتے، اور مولانا کی ایک ایک بات کو بگوش دل سماعت کرتے، مولانا کا درس حدیث انفرادی وامتیازی شان کا حامل ہوتا، اولاً زیر بحث حدیث کے تمام طرق کی طرف اجمالاً اشارہ فرمادیتے اور ان میں سے کسی طریق کے پر ائمہ جرح وتعدیل کی طرف سے کوئی کلام ہوتا تو اس کو نقل فرماتے پھر دیگر کتب اسماء الرجال کے حوالے سے اس کی حقیقت اس طرح واضح فرمادیتے کہ طلبہ کے لئے اس حدیث شریف کی تخریج اور درجہ کا تعین بالکل سہل ہوجاتا، پھر درایت حدیث پر جب گویا ہوتے تو نفس حدیث کے محتمل جملہ مفہوم کو بلا کسی مسلکی طرفداری کے اس طرح تشریح کرتے کہ طلبہ کو اس کے سمجھنے میں کسی الجھن کا احساس نہ ہوتا، اس کے بعد اس حدیث سے متعلق فقہیات کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے اور مسلک حنفی کے ترجیحی پہلو اور اس کی توجیہ کو مدلل طریقے پر بیان کردیتے، طلبہ کو مولانا کے طریقۂ تفہیم اور تشریح حدیث پر بہت اعتماد تھا، بلاشبہ مولانا کے انتقال سے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی درسگاہ حدیث ایک عظیم الشان ورفیع المقام استاذ سے خالی ہوگئی:

باتیں ہماری یاد رہیں پھر باتیں ایسی نہ سنیے گا

پڑھتے کسو کو سنیے گا تو دیر تلک سر دھنیے گا

(میر تقی میر)

مولانا نے خود کو علم دین کی خدمت کے لئے یکسو کرلیا تھا، گھر گرہستی کے تعلق سے ان کی دلچسپی بہت معمولی تھی۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی طرف سے فراہم کردہ کمرہ میں تنہاء رہتے، اور درس وتدریس کے علاوہ زیادہ تر اوقات کتب بینی اور تصنیف وتالیف میں صرف کرتے، مولانا کے خامۂ گہربار سے مختلف موضوع پر درجنوں علمی شہ پارے منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئے، مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا ترجمان ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند کی ارادت مولانا ہی کے ذمہ تھی، جسے مولانا نے نہایت ہی خوبصورت طریقے پر انجام دیا، مولانا کے انتقال سے علمی دنیا میں بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا، جس کی تلافی کی راہ دور دور تک نظر نہیں آتی، اللہ حضرت استاذ محترم کے قبر اطہر کو نور سے بھر دے، اور جنت میں انھیں اعلی درجہ عطا فرمائے، آمین۔

* * * * *

انفاق فی سبیل اللہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ اللهُ تَعَالیٰ اَنْفِقْ اُنْفِقْ عَلَیْكَ۔ (بخاری، مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تو میرے محتاج بندوں پر اور دین کے کام کو آگے بڑھانے کے لیے خرچ کر، میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

عید قرباں کا پیغام

عبید اللہ شمیم قاسمی*

دنیا کے تقریباً تمام مذاہب و ادیان میں خوشی منانے کے لیے کچھ ایام مقرر ہیں۔ اسلام چونکہ ایک کامل ومکمل دین اور انسانی فطرت کے عین مطابق ضابطۂ حیات ہے۔اس لیے اس نے بھی اپنے ماننے والوں کو خوشی منانے کے لئے سال میں دو دن عید الاضحیٰ اور عید الفطر کی صورت میں دیئے ہیں۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو وہاں زمانہ جاہلیت سے تہوار منانے کا سلسلہ جاری تھا۔جس میں لوگ طرح طرح کے لہو ولعب میں مبتلا تھے۔تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے مقابلے میں اپنی امت کو بھی خوشی منانے کے دو دن دیئے۔خوشی کے یہ دونوں ایام اسلام کے دو بڑے ارکان کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں اور ان ارکان کی ادائیگی کے بعد خوشی کے طور پر مسلمان یہ دن مناتے ہیں۔

غیروں کے مقابلے مسلمانوں کے عید وتہوار کی خصوصیت اور ان کا امتیازی وصف ہی یہی ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں عید محض کھیل کود، تفریح طبع، ناچ گانا کا نام نہیں؛ بلکہ یہاں تو عاجزی وانکساری، فروتنی، عبدیت وبندگی کے اظہار کے ساتھ عید منانی ہے، صبح اٹھتے ہی عید قرباں کے موقع سے انسان کو سب سے پہلے دوگانہ اس خوشی ومسرت کے موقع سے ادا کرنا ہے، رب ذوالجلال کی بارگاہ میں اولاً سرِ نیازِ تسلیم خم کرنا ہے، اس کے سامنے دو رکعت نماز کی شکل میں اپنی خمیدگی اور عبدیت کو بتلانا ہے، پھر اس کے بعد جانور کی قربانی دینی ہے۔

* استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ، یوپی

حقیقی قربانی تو اپنے جذبات، خواہشات، اپنے ارمانوں اور آرزوؤں کی دینی ہے، اللہ رب العزت کے احکام کے سامنے اپنے کو خم کرنا ہے، ہر حکم خداوندی کے سامنے اپنے آپ کو جھکا لینا ہے، جب نماز کی شکل میں بدنی اور وقتی قربانی کا مطالبہ ہو تو اس کی قربانی دینی ہے، روزہ کی شکل میں بھوک اور پیاس کو وقت مقررہ میں برداشت کر کے اپنے کھانے پینے کی خواہش پر چھری چلانا ہے، جب مال کی قربانی کا مطالبہ آئے تو مال کو زکوۃ وصدقات کی شکل میں قربان کرنا ہے، اور جب وقتی، مالی اور بدنی قربانی کا تقاضا ہو تو پھر اپنی جان اور اپنا مال اور اپنا وقت لے کر خدا کے گھر کی جانب ادائیگی حج کے لئے دیوانہ وار، پراگندہ حال، دو بغیر سلے ہوئے سفید کپڑے زین تن کئے ہوئے خانہ کعبہ کے آس پاس کے علاقہ منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کی سنگلاخ اور سخت جان پہاڑیوں کے چکر کاٹتے ہیں، اس کو اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں فرمایا: ''اللہ عزوجل کو قربانی گوشت اور قربانی کا خون نہیں پہنچتا، لیکن اللہ کے یہاں تو تمہارا تقوی پہنچتا ہے''۔ (سورۃ الحج: ۳۷) اس آیت کی تفسیر میں حضرت مولانا مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ: عبادات کی خاص صورتیں اصل مقصود نہیں بلکہ دل کا اخلاص واطاعت مقصود ہے: ''لن ینال اللہ لحومھا'' میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ قربانی جو ایک عظیم عبادت ہے اللہ کے پاس اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا، نہ وہ مقصود قربانی ہے؛ بلکہ مقصود اصلی اس پر اللہ کا نام لینا اور حکم ربی کی بجا آوری دلی اخلاص کے ساتھ ہے۔ زمانہ جاہلیت میں جب لوگ جانوروں کو ذبح کرتے تھے تو اس کے خون سے اللہ کی قربت کے واسطے خانہ کعبہ کو رنگ دیتے تھے، تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی کہ قربانی کا گوشت اور اس کا خون اللہ رب العزت کو نہیں پہنچتا، لیکن اللہ کے یہاں تو تمہارا تقوی پہنچتا ہے''۔ (تفسیر البغوی: ۳/۳۴۲)

اگر قربانی کے عمل کے ذریعے اتباع اور فداکاری کے یہ جذبات ہمارے اندر پیدا نہیں ہوتے تو بس یہ قربانی کا عمل ایک ظاہری عمل ہو کر رہ جائے گا، حقیقت اور روح سے خالی ہو جائے گا۔ آج مسلمانوں نے قربانی کو بطور رسم کے اپنایا ہوا ہے، ہماری سالانہ قربانی صرف جانوروں کی قربانی تک محدود ہو کر رہ گئی ہے، قربانی کی روح اور اساس کو ہمارے اندر پیدا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

قربانی یہ دراصل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیات اور آپ کے جذبہ فداکاری کا ایک اعلی وارفع نمونہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اطاعت وجذبہ فدویت کے ذریعہ ایوان باطل میں صدائے توحید بلند کی تھی جس سے باطل لرزا براندام اور تمام نمرودی طاقتیں ناکام ونامراد ہو گئیں تھی۔

قربانی کی حقیقت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا جو خواب دکھایا گیا تھا وہ عینی تھا جس میں خواب واقعہ کے عین مطابق ہوتا ہے، یہ تمثیلی نہیں تھا جیسا کہ بعض علماء کا خیال ہے، امام خطابی ''معالم السنن'' میں فرماتے ہیں:

"وبعض الرؤيا مثل يضرب ليتاؤل على الوجه الذي يجب أن يصرف إليه معنى التعبير في مثله وبعض الرؤيا لا يحتاج إلى ذلك بل يأتي كالمشاهدة."

بعض خواب تمثیلی ہوتے ہیں جس کو اس کی مثالی صورت میں اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ پر اس کی تعبیر کی جائے جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور بعض خواب اس کے محتاج نہیں ہوتے بلکہ وہ مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہیں''۔ (فتح الباری: ۱۳/ ۴۸۳)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بغیر کسی تاویل کے اس خواب کو پورا کرنا چاہا لیکن اللہ تعالی نے ایسا کرنے سے روک دیا اور ان کے حسن نیت کی قدر کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ (۱۰۵) إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْبَلَاءُ الْمُبِينُ (۱۰۶) وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ﴾ [الصافات:۱۰۵تا۱۰۷]

''تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، یقیناً ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح صلہ دیتے ہیں، بیشک یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا اور ہم نے ایک عظیم ذبیحہ کا فدیہ دے کر اس بچہ کو بچالیا''۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت فرمایا تھا: "ما هذه الأضاحي يا رسول الله"؟ اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! یہ قربانیاں کیا ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: هي سنة أبيكم إبراهيم عليه الصلاة والسلام، یہ تمہارے باپ حضرت ابرہیم علیہ السلام کی سنت اور یادگار ہے، تو صحابہ نے سوال کیا: فما لنا فيها يا رسول الله؟ پھر ہمیں اس سے کیا ملے گا؟ تو آپ نے فرمایا: بكل شعرة حسنة، ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی، قَالُوا: " فَالصُّوفُ؟ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: "بِكُلِّ شَعَرَةٍ مِنَ الصُّوفِ، حَسَنَةٌ" اور اگر اون ہے تو اون کے ہر بال کے بدلے نیکی ملے گی۔

(سنن ابن ماجہ ۳۱۲۷)، (مسند احمد: ۵۵۶/۴)

قربانی کی تاریخ بہت قدیم ہے، تاریخ میں پہلی قربانی سیدنا آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل نے پیش کی تھی۔ قابیل کی قربانی مسترد اور ہابیل کی بارگاہ الٰہی میں قبول ہوئی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے:

﴿وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ [المائدة:۲۷]

پھر مسلمان جو قربانی کرتے ہیں، یہ عمل حق تعالیٰ سے سچی محبت کرنے والے حضرت ابراہیم اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہما السلام کی تاریخی قربانی کی یادگار ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا اور انہوں نے لخت جگر سے اس

بابت مشورہ کیا تو فرمانبردار بیٹا فوراً ہی راہ حق میں قربان ہونے کو تیار ہو گیا۔ یہ دراصل ابراہیم علیہ السلام کا کڑا امتحان تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا سب سے عظیم الشان کارنامہ تسلیم ورضا ہے، یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں، یہ وصف مقبولِ بارگاہ ہوا اور پھر حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کا یہی شعار مذہبی قرار پایا، اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیروانِ ملت کا نام مسلم رکھا۔

آج ہم قربانی تو ضرور دیتے ہیں، لیکن جذبہ فداکاری وجاں نثاری ہمارے اندر پیدا نہیں ہوتا، اُس ایمان وایقان سے ہم کنار نہیں ہوتے جو ان حضرات میں تھی، ہمارے جذبات دم نہیں توڑ دیتے، ہمارا نفس امارہ نہیں مرجاتا، یا اس میں کسی قسم کا تغیر وتبدل واقع نہیں ہوتا، ہماری من مانیاں، نفسانیاں، شیطانیاں ختم نہیں ہوتیں، ہماری من مانیوں پر کوئی قدغن نہیں لگتا، مال ومتاع کی محبت میں کمی واقع نہیں ہوتی، ہمارے اندر مرغوبات ومحبوبات کو قربان کرنے کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، ہمارے دل کے کیفیات میں نمایاں تبدیلی دیکھنے کو نہیں ملتی، اس لئے ہمیں یہ ضرور یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ عزوجل کے یہاں ہمارے ظاہری عمل نہیں پہنچتے؛ بلکہ اس کے یہاں ہماری نیتوں کا خلوص، ہمارے دلی جذبات، ہماری پاکیزہ چاہتیں اور تمنائیں اور تقوی ہی پہنچتا ہے۔

قربانی کا دوسرا اہم مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اسوہ پر عمل کرتے ہوئے اپنا سب کچھ خدا کے لیے قربان کرنے کا جذبہ پیدا کرنا ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ مقصد ہی نہ ہو یا کسی کوتاہی کی وجہ سے یہ حاصل نہ ہو سکے تو ہماری قربانی حق تعالیٰ کے نزدیک رائیگاں ہے۔ اس لئے کہ ''خدا کو نہ ان جانوروں کے گوشت پہنچتے ہیں اور نہ ان کا خون۔ اسے تو صرف تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے''۔ (سورۃ الحج: ۳۷)۔ قرآن کریم کی سورۃ المائدۃ میں جہاں ہابیل

اور قابیل کی قربانیوں کا ذکر ہے اس میں بھی یہی الفاظ آئے ہیں کہ ''اللہ تعالی صرف متقی لوگوں کی قربانی قبول فرماتا ہے''۔

آج اس وقت ساری دنیا میں اسلام کو صفحہ ہستی سے مٹانے کے لئے دشمنوں کی جانب سے تانے بانے بنے جارہے ہیں، سازشیں ترتیب دی جاری ہیں، طویل المدتی منصوبے بنائے جارہے ہیں، ایوان کفر و باطل میں نورِ الٰہی کو پھونکوں سے بجھانے کے لیے تگ ودو جاری ہے، ایسے میں یہ عید قرباں ہمیں یہ پیغام دیتی ہے کہ ہمیں دین کی حفاظت کی خاطر اپنے مال ومنال، نفس وجان کی قربانی کے لئے ہر وقت تیار ہونا ہے، اس وقت مسلمانوں پر ساری دنیا میں عرصہ حیات تنگ کیا جارہا ہے، ایسے نازک و پر خطر حالات میں یہ عید قرباں ہمیں یہ پیغام دیتی ہے جس طرح ہم یکجا اور متحد ہو کر بارگاہ ایزدی میں سر نیاز خم کرتے ہیں اور حکم خداوندی کے سامنے جانوروں کی قربانی کا ہمارا سماں بھی ہمارے اتحاد و اتفاق کا اعلی نمونہ پیش کرتا ہے، ہر شخص اس عید قرباں کے موقع سے رضا جوئی رب کے لئے جانوروں کی قربانی کے لئے بے چین و بے قرار نظر آتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہم کو احکام خداوندی کی بجا آوری میں اور دین پر آنے والی ہر آنچ کے لیے ایسے ہی کمر بستہ ہونا چاہئے، اعلاء کلمۃ اللہ اور حفاظت دین محمدی کی خاطر ہماری جان اور ہمارے خون کا ایک قطرہ بھی کام آجائے تو اپنے لیے سعادت اور نیک بختی سمجھنا چاہئے، اور ہر مثبت اور مفید طریقے سے، دلائل و براہین اور اسلام کی حقانیت وصداقت اور اس کے پیغام کو عام کرنے کے لیے اپنے جان و مال اور وقت کی قربانی سے گریز دراصل یہ قربانی کی روح کے منافی اور مغائر ہے۔ اللہ تعالی ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے اور قربانی کی حقیقت ہمارے دلوں میں پیدا فرمائے۔

* * * * *

وحدتِ اسلامی

ندائے وقت

مفتی شکیل منصور القاسمی*

نسل، وطن، رنگ اور قومیت کی بنیاد پر مسلمانوں کی تفریق وتقسیم ہر زمانے میں ہلاکت خیز اور تباہ کن رہی ہے اور موجودہ عہد میں بھی اسلام ومسلمانوں کی پسماندگی وبربادی کا سب سے سنگین سبب یہی افتراق وانشقاق کی ذہنیت ہے۔

پیغمبر اسلام نے جاہلیت کے اس عفریت کی شہ رگ پہ کاری ضرب لگائی تھی، اور اس کی بنیاد پر تیشہ چلایا تھا۔ مدینہ پہنچ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی ریاست کی تشکیل فرمائی تو سب سے پہلے اس کی سیاست کی پہلی بنیاد یہ رکھی کہ مہاجرین وانصار کے درمیان رشتہ مواخات قائم فرمایا۔ یہ اسلامی سیاست کی پہلی اینٹ تھی۔ اس سے صدیوں پرانے اختلافات ونزاعات سر ہوئے۔ الفت ومحبت کی لاثانی فضاء قائم ہوئی۔

اسلامی ریاست کی دوسری بنیاد یہ رکھی گئی کہ مدینہ کے قرب وجوار کے یہودیوں سے معاہدہ ہوا جس کا سب سے اہم منشور یہ تھا کہ باہمی اختلاف کے وقت رسول اللہ کا فیصلہ سب کے لئے واجب التعمیل ہوگا نیز یہود مدینہ مسلمانوں کے خلاف کسی دشمن کو ظاہرا یا باطنا کوئی امداد فراہم نہیں کریں گے۔

---

* سورِینام جنوبی امریکہ

پھر مسلمانوں کے مابین آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دستور نافذ فرمادیا کہ عدل وانصاف اور نیکی وتقوی کسی کی مدد کرنے یا کسی سے مدد حاصل کرنے کا معیار ہونا چاہئے۔جو شخص عدل وانصاف اور نیکی پر ہو اس کی مدد کرو۔خواہ رنگ ونسل، خاندان وزبان ووطن کے لحاظ سے تم سے مختلف ہی کیوں نہ ہو! اور ظالم وگنہگار کی مدد نہ کرو اگرچہ وہ تمہارا باپ یا بھائی ہی کیوں نہ ہو! اسلامی سیاست کی یہ دو ایسی فولادی وآہنی بنیادیں تھیں جن کے ہوتے ہوئے قیصر وکسری کی عالمی طاقتیں بھی اس چھوٹی سی اسلامی ریاست کا بال بیکا نہ کرسکیں۔شروع ہی سے اسلام دشمن اس مشترک اسلامی برادری کو منتشر کرنے کے لئے سرگرداں تھے۔ برادری اور قومیت ووطنیت کے حربہ کے ذریعہ مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔

وحدت اسلامی کو ٹکڑوں میں بانٹ دینے کے لئے موجودہ دور کے صیہونیوں نے وطنیت وقومیت کا پھر منظم شیطانی جال بچھایا ہے۔اس جال میں پھنس کر عام دنیا کے مسلمان باہمی جنگ وجدال کا شکار ہیں۔عرب میں مصری شامی حجازی یمنی عراقی کو ایک دوسرے سے بر سر پیکار کردیا گیا۔عجمیوں میں ہندستانی پاکستانی بلوچ سندھی پنجابی کشمیری باہم آویزش کے شکار ہیں۔اور دشمنان اسلام ہماری اس آویزش کا کھیل کھیل رہے ہیں۔اسی لئے وہ ہر میدان میں ہم پر غالب ہیں اور ہم غلامانہ ذہنیت کے ساتھ کبھی "بش" کبھی "کلنٹن" کبھی "اوبامہ" کبھی ٹرمپ اور اب "بائیڈن" اور ''مودی'' کی طرف نظریں اٹھا کے نجات دہندہ کے بطور دیکھ رہے ہیں۔ "

ان هذه امتكم أمة واحدة" پر ایمان رکھنے والے حکمرانوں کا حال یہ ہے کہ کشمیر کا ظلم وستم انڈیا پاکستان کا معاملہ، فلسطین وشام میں قتل خونریزی کو مشرق وسطی کا معاملہ قرار دے کر تماشائی بنے ہوئے ہیں۔ نبی آخر الزمان نے جس عصبیت جاہلہ سے پوری شدت کے ساتھ

جنگ کی تھی آج یہ عفریت انہی مسلمانوں کے گھروں میں پروان چڑھ رہا ہے اور یہی اس کے رکھوالے بنے بیٹھے ہیں۔

زیادہ بکھیڑے میں جائے بغیر صرف اسلامی سیاست کی مذکورہ دو بنیادوں کو ہر اسلامی ملک میں ترجیحی بنیادوں پر نافذ کر دیا جائے تو پھر عالمی منظر قابل دید ہوگا۔ مسلم حکمرانوں کو لازماً سمجھنا چاہئے کہ یہ وقت دبے کچلے مظلوم و مقہور کلمہ گو بھائی بہنوں کو دلاسہ دینے کا ہے، مسلمانوں کے خون سے ہولیاں کھیلنے والے "نسل کُش" عفریت کو گلے لگانے اور اعزازی و انعامی تمغے عطا کرنے کا نہیں! "کلمہ گو" مسلمانوں کے تمام فرقے و مسالک تمثیلِ نبوی کی روشنی میں ایک جسم کے مانند ہیں اگر جسم کی قوت مدافعت مغلوب ہوجائے تو بیرونی جراثیم و وائرس اچھے بھلے تندرست و توانا انسانی جسم کو بھی بیمار کر کے چھوڑتے ہیں ہم ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں ضرور ہیں؛ لیکن ہمارے مختلف اجزا میں ربط و تعاون کے فقدان اور ملی اتحاد و انضباط نہ ہونے کے باعث مسائل سے نمٹنے کی استعداد ہمارے اندر مفقود ہو چکی ہے۔

ہمارے ملک میں مسلم اقلیت کے لئے اس وقت مسائل و حالات، مشکلات و پریشانیوں کا ایسا انبار لگا ہوا ہے جس کا پہلے کبھی تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا ہمارے ملی وجود و جسم میں لگتا ہے قوت مدافعت انتہائی کمزور ہو چکی ہے اس لئے ہم تعداد میں کروڑوں، مال و دولت، اور علم و فن میں تسلیم شدہ صلاحیتوں، شہادتوں اور مہارتوں کے باوجود مسائل اور ظلم و جبر کا بری طرح شکار ہیں اقوام و ملل کے لئے قوت کا سرچشمہ "اتحاد و با مقصد تنظیم" ہے مرکزیت اور انضباط و اتحاد کی جڑ تواضع یعنی دوسروں کو اپنے سے بڑا تسلیم کرنا ہے افسوس ہے کہ ہمیں دوسرے کو خود سے افضل مانتے ہوئے آج شرم آتی ہے اس لئے ہر کوئی اپنے

مزعومہ خول میں بند ہے بقول مفکر اسلام علامہ علی میاں ندوی رح: ''اتحاد نام کی ایک دوسرے کو ملانے اور چپکانے والی چیز آج تک دنیا میں ایجاد نہیں ہوئی ہے'' یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ ملک کے سارے لوگ ایک رائے اور موقف پہ۔ چاہے وہ کتنا ہی صحیح و سچ کیوں نہ ہو۔ متفق ہو جائیں! آپسی اختلافات کا ہونا لازمی و لابدی ہے وہ تو ہوتے آئے ہیں اور ہوتے ہی رہیں گے!* بیشمار ملی، ملکی، گروہی، مسلکی اور سیاسی اختلافات کے باوجود مشترکہ مفاد و مسائل کے لئے باہم متحد و منضبط ہو کر متحدہ سعی و کوشش کرنے کو ''اتحاد'' کہتے ہیں۔ یہ اتحاد انسان کے اختیار اور بس کی چیز ہے دوسرے کو بڑا ماننے اور اجتماعی منافع و مسائل کے لئے باہم مل بیٹھنے میں ہمیں عار نہیں آنی چاہیے عقائد کے باب میں ''صلح کلی'' بننا اور ہواؤں کے رخ پہ منہج وموقف بدلتے رہنا یقیناً ممنوع اور بُرا ہے عقائد حقہ پہ پوری جرات کے ساتھ تصلب ہونا چاہیے* لیکن بنیادی نظریاتی اور مسلکی اختلاف رکھتے ہوئے بھی ہمارے جیسے ملک میں ادارے اور اشخاص سے ربط وضبط بحال رکھنا ملی وجود و بقا کے لئے ضروری ہے* کسی فرد یا ادارے سے نظریاتی اختلافات اس کی افادیت و نافعیت کو تسلیم کرنے میں مانع نہ ہونے چاہئیں کسی گروہ سے چند فی صد اختلاف ہو تو اسے سو فی صد ''مخالفت'' بنا کر پیش کرنے اور تصادم و محاذ آرائی کی فضا پیدا کرنے سے اس ملک کے مسلمانوں کا بہت بڑا نقصان ہوگا۔

ہمارے نظریاتی اختلافات سے دشمنوں کو تالیاں بجانے کا موقع نہیں ملنا چاہیے ملک کے موجودہ ماحول سے آنکھیں بند کر لینا اور فضا کو ہموار کرنے کی کوشش نہ کرنا طبقہ علماء کو زیبا نہیں اسلام اور مسلمانوں سے مربوط و منسلک جماعتوں اور اداروں کے خلاف اس وقت تحریک چلانا یا سوشل مہم چھیڑنا ملت اسلامیہ کے پاؤں پہ تیشہ چلانے کے مرادف ہوگا

ملک کے موجودہ حالات میں کسی بھی منصوبے کی کامیابی کے لئے منفی طریق کار کے بجائے مثبت طریقہ اپنانے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے، آپ کسی کی تردید نہ کرکے بھی معتدل انداز اور متوازن ومثبت اسلوب وپیرائے میں اپنی بات، اپنی فکر اور اپنا خیال پیش کرسکتے ہیں، اس طرح آپ کی صحیح بات فریق مخالف تک پہنچ جائے گی، آپ کی بات اگر صحیح ہوگی تو ان شاءاللہ رائج بھی ہوجائے گی۔ جو لوگ دوراز کار ضمنی مسائل اور لاطائل قدیم فروعی مباحث سوشلستان پہ چھیڑ کر افراد ملت کو الجھانے اور افتراق وانتشار کا نیا باب کھولنے کا کام کئے ہیں انہوں نے مناسب کام نہیں کیا ہے، * ملک کے نازک ترین وقت میں ساز چھیڑ کر نغمہ سرائی کا موقع فراہم کرنا دوراندیش کام نہیں۔

* معاشرے میں رہتے ہوئے اتحاد باہمی کے شیشے پہ کبھی افتراق کا بال آجائے تو نہایت سبک گامی اور حکمت ومصلحت کے ساتھ اسے صاف کرنے یا کم ازکم اسے بڑھاوا نہ دینے کی کوشش ہونی چاہئے ہر کوئی ''سواسیر'' بننے اور اپنے مزاج وطبیعت کا سکہ چلانے کے فراق میں ہی رہے تو معاشرتی بے چینیوں کا زنجیری سلسلہ کبھی ختم نہیں ہوگا باہمی اختلاف، ضد اور انا کی نفسیات سے نکلنے، زمانہ شناسی اور موقع محل کی نزاکت کے ساتھ خوبصورت انداز میں آپسی ناہمواریوں کو حل کرنے کی ضرورت ہے، پوری قوم مسلم کا نفع نقصان ایک ہے، خارجی بھروسوں اور اعانتوں پہ توکل کرنے کی بجائے مسلمانوں کی اندر کی صلاحیت اور بنیادوں کو ابھارا جائے اس سے جو قوت پیدا ہوگی وہ ملت کی اپنی حقیقی قوت ہوگی۔ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ وقت دبے کچلے مظلوم ومقہور کلمہ گو بھائی بہنوں کو دلاسہ دینے کا ہے، مسلمانوں کے خون سے ہولیاں کھیلنے والے ''نسل کُش'' عفریت کو گلے لگانے اور اعزازی وانعامی تمغے عطا کرنے کا نہیں! اس موقع سے مسدس حالی کے دو بند پیش

کرنے کو جی چاہتا ہے:

خصومت سے ہیں اپنی گو خواریاں سب
نزاعوں سے باہم کی ،ہیں ناتواں سب
خود آپس کی چوٹوں سے ہیں خستہ جاں سب
یہ ہیں متفق اس پر ،پیر وجواں سب
کہ نا اتفاقی نے کھویا ہے ہم کو
اسی جزر ومد نے ڈبویا ہے ہم کو
یہ مانا کہ کم ہم میں ہیں ایسے دانا
جنھوں نے حقیقت کو ہے اپنی چھانا
تنزل کو ہے ٹھیک ٹھیک اپنے جانا
کہ ہم ہیں کہاں اور کہاں ہے زمانا
یہ اتنا زبانوں پہ ہے سب کے جاری
کہ حالت بری آج کل ہے ہماری

*****

حسن قرأت وتجوید کی اہمیت وفرضیت

ڈاکٹر سمیہ ریاض فلاحی*

ہر کام کی دونوعیت ہوتی ہے۔ایک محض خانہ پری کے لئے بغیر کسی دلچسپی وخوبصورتی کے انجام دیا جاتا ہے تو دوسرا شہرت ونمود اور بھاری بھرکم انعامات کے حصول کے لیے محنت و لگن اور خوبصورت طریقے سے انجام دیا جاتا ہے۔

ایک ہی کمپنی یا فیکٹری میں بہت سے ملازمین برسر روزگار ہوتے ہیں مگر اس میں کچھ لاپرواہی وکاہلی سے کام لیتے ہوئے اپنی معمولی تنخواہ پر اکتفا کرتے ہیں جب کہ دیگر مالک کے حکم کو بجالاتے ہوئے کمپنی کی شہرت کو چار چاند لگانے، اسے اوج ترقی تک پہچانے، اور پھر اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے منافع کی صورت میں اپنی تنخواہ اور کسب معاش میں دوگنا یا بھاری بھرکم اضافہ کی امید میں اپنے کام کو نہایت خوبصورتی اور دلجمعی سے کرتے ہیں۔اس طرح انہیں ان کی لگن اور محنت ومشقت کا بہترین اجر ملتا ہے اور وہ مالک کی نظروں میں بھی محبوب ہوجاتے ہیں۔

اسی طرح کلاس میں بہت سے طالب علم ہوتے ہیں۔ان میں سے بعض کو کامیابی اور ناکامی کی کوئی فکر نہیں ہوتی اور وہ کھیل کود اور خوش گپیوں میں مصروف کسی بھی قسم کی محنت سے غافل اور صلاحیت سے کورے ہوتے ہیں اور استاد کی نظروں میں بھی حقیر سمجھے جاتے ہیں۔ جب کہ بعض کو محض کلاس پاس کرنے سے مطلب ہوتا ہے اور یہ بھی اپنے اسکول کا نام روشن

* آراضی باغ، اعظم گڑھ

کرتے اور نہ استاد کی نظروں میں قابل اعتناء ہوتے ہیں۔لیکن اسی کلاس میں بعض قابل قدر طالب علم ایسے ہوتے ہیں جو اساتذہ کے حکم پر سر تسلیم خم کرتے ہوئے اپنی دن ورات کی محنت و کاوش اور لگن و دلجمعی سے کام لیتے ہوئے امتیازی نمبرات حاصل کر کے اساتذہ کی نظروں میں اعلیٰ مقام بنا لیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اپنے اسکول کی شہرت اور اس کی نیک نامی کا باعث بھی بنتے ہیں۔(ایسے ہی طالب علم کی راہ میں فرشتے اپنا پر بچھا دیتے ہیں اور کامیابیاں وکامرانیاں ان کے قدم چومتی ہیں)

یہ تو رہی دنیا کی مثال، اب یہاں بات حسن قرأت وتجوید کے حوالے سے کی جارہی ہے کہ آج کے اس موجودہ دور میں کچھ لوگ حسن قرأت اور تجوید کی اہمیت اور اس کی فرضیت سے یکسر بے بہرہ اور غافل ہیں تو بعض تلاوت قرآن میں محض خانہ پری سے کام لیتے ہیں اور انہیں حسن قرأت وتجوید اور مخارج حروف سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔اس طرح ان کی مثال ان طلباء کی سی ہے جنہیں دوہرا اجر وثواب اور اعلیٰ مقام سے کوئی مطلب نہیں، کیونکہ یہ لوگ قرآن کی تلاوت تو کرتے ہیں مگر اس کی خوشبو، اس کی لذت، اس کی شیرینی اور اس کے دہرے اجر و ثواب سے محروم رہتے ہیں۔

حسن قرأت اور تجوید کے موضوع پر قلم اٹھانے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ آج کے اس مادہ پرست دور میں لوگ مادی اور دنیوی منافع کے حصول کے لئے تن من دھن سے سرگرداں ہیں۔ اور اس کی وصولیابی کے لئے دنیا کے تمام علوم وفنون سیکھنے میں اس قدر مشغول ہیں کہ اسلام کے بنیادی علوم وفنون کی قدر ومنزلت بھول بیٹھے۔حتی کہ ان مادی علوم و فنون کو سیکھنے کے لئے بے دریغ پیسے بہاتے ہیں جب کہ قرآن کریم کی تعلیم اگر انہیں مفت دلائی جائے تو بھی ان کے پاس فرصت نہیں۔ایسے لوگ یا تو تلاوت قرآن سے بالکل غفلت برتتے

ہیں یا محض خانہ پری کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے تلاوت قرآن کا حق ادا کر دیا۔ تلاوت قرآن کی اہمیت اپنی جگہ مسلم ہے جس کی فضیلت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث مروی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مثل المؤمن الذی یقرأ القرآن مثل الأترجة ، ریحها طیب و طعمها طیب ، و مثل المؤمن الذی لا یقرأ القرآن کمثل التمرة ، لا ریح لها و طعمها حلو ، و مثل المنافق الذی یقرأ القرآن کمثل الریحانة ، ریحها طیب و طعمها مر ، و مثل المنافق الذی لا یقرأ القرآن کمثل الحنظلة ، لیس لها ریح و طعمها مر۔ متفق علیه۔

(صحیح بخاری: کتاب فضائل القرآن وصحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین)

ترجمہ: مؤمن کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے ترنج کی سی ہے جس کی خوشبو بھی خوشگوار ہوتی ہے اور ذائقہ بھی مزیدار۔ اس مومن کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا کھجور کی ہے جس میں خوشبو تو نہیں ہوتی لیکن ذائقہ میٹھا ہوتا ہے۔ اور اس منافق کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے ریحان کی سی ہے جس میں خوشبو تو ہوتی ہے لیکن اس کا مزا کڑوا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پاک کی تلاوت نہیں کرتا حنظلہ کی سی ہے جس میں خوشبو بھی نہیں ہوتی اور اس کا مزہ بھی نہایت تلخ ہوتا ہے"۔

دوسری حدیث میں ہے:

"اقرؤوا القرآن فإنه یأتي یوم القیامة شفیعاً لأصحابه"۔

(صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین، باب فضل قراءۃ القرآن)

ترجمہ: قرآن تلاوت کرو اس لئے کہ قیامت کے دن قرآن پاک اپنے پڑھنے والے کے حق میں شفاعت کرے گا۔"

اور دوسری جگہ فرمایا:

" من قرأ حرفاً من کتاب الله فله حسنة ، و الحسنة بعشر أمثالها لا أقول : ألم حرف ، ولکن : ألف حرف ، ولام حرف ، و میم حرف ". (سنن ترمذی، أبواب ثواب القرآن)

ترجمہ: جس شخص نے اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھا، اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔

ان احادیث مبارکہ اور آیات قرآنی مثلاً:"

واتل ما أوحي إليك من كتاب ربك" (سورۃ الکہف:۲۷)

ترجمہ: اور اپنے رب کی طرف سے وحی کی گئی کتاب کی تلاوت کرو"۔

اور دیگر آیات کی روشنی میں تلاوت قرآن کی فرضیت، اس کی اہمیت اور فضیلت واہو جاتی ہے مگر کیا حسن قرأت وتجوید کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مقصود حاصل ہوتا نظر آتا ہے؟ جب کہ ارشاد الٰہی ہے":

ورتل القرآن ترتيلا" (سورۃ المزمل:۴)

ترجمہ: اور قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھو"۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"ولا تعجل بالقرآن" (سورۃ طہ:۱۱۴)

ترجمہ: اور قرآن کریم کی تلاوت میں جلد بازی نہ کرو۔

اللہ رب العزت اپنی کتاب میں قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر اور بہترین انداز میں پڑھنے کا حکم دیتا ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

"من لم يتغن بالقرآن فليس منا". (سنن أبي داؤد، کتاب الصلاۃ، باب استحباب الترتیل فی القراءۃ)

ترجمہ: جو قرآن کو غنا کے ساتھ نہ پڑھے، وہ ہم میں سے نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قرآن کو گانے یا موسیقی کے طرز پر پڑھا جائے بلکہ امام شافعی

رحمہ اللہ اس کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں کہ قرآن کو خوش الحانی کے ساتھ پڑھو اور اس طرح سے پڑھو کہ رقت طاری ہو۔ (فضائل القرآن از ابن کثیر ص ۳۳)

حسن قرأت کی فضیلت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"الذی یقرأ القرآن وھو ماھر بہ مع السفرۃ الکرام البررۃ، والذی یقرأ القرآن ویتتعتع فیہ وھو علیہ شاق لہ أجران". (متفق علیہ، صحیح بخاری: کتاب التوحید وصحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین)

جو قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور وہ اس کا ماہر ہے تو وہ السفرۃ الکرام البررۃ (مکرم، نیک فرشتوں کے ساتھ ہے اور جو قرآن پڑھتا ہے تو اٹک اٹک کر پڑھتا ہے اور اس کو پڑھنے میں دشواری ہوتی ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہے"۔

سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کا انتہائی اکرام واحسان ہے کہ اپنے کلام کو خوبصورتی سے ادا کرنے والے کو بلند درجات عطا کرتا ہے تو اس کی ادائیگی میں مشقت اٹھانے والے کو دوہرے اجر سے نوازتا ہے۔ اس کے احسان اور انصاف کا کیا کہنا! مگر اس فضیلت سے واقفیت کے باوجود ہم اس سے غافل ہیں جب کہ دنیا کے کسی بھی قانون میں ہمیں اس طرح کا انصاف نہیں ملتا۔

کسی کلاس کے دو طالب علم کی مثال لے لیجیئے کہ ان میں سے ایک بلا کا ذہین و فطین ہے اور پوری سال وہ کلاس سے غائب رہتا ہے یا پڑھائی سے جی چراتا ہے مگر اپنی ذہانت کی بدولت وہ ایک رات کی محنت میں امتیازی نمبر حاصل کر لیتا ہے جب کہ دوسرا طالب علم کند ذہن ہے۔ وہ سالہا سال کی محنت کے باوجود ناکام ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے ممتحن کو اس کی محنت ومشقت کا پتہ نہیں ہوتا ہے۔ لیکن رب عظیم جو علیم وخبیر ہے اور ساتھ ہی

وہ منصف بھی ہے وہ بندوں کی مشقت کا خیال رکھتے ہوئے اسے دوہرا اجر عطا فرماتا ہے۔ یہ تو رہے تلاوت قرآن اور حسن قرأت کے فضائل۔ اب ہم اس کی فرضیت کے سلسلے میں کچھ باتیں گوش گزار کرنا چاہتے ہیں۔

اس موضوع پر کچھ رقم کرنے کا خیال اس طرح پیدا ہوا کہ میں تلاوت قرآن میں مشغول تھی کہ یکا یک (منجانب اللہ کہہ سکتے ہیں) ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر ہم قرآن کو صحیح مخارج اور حسن قرأت کے ساتھ نہ پڑھیں تو مفہوم کچھ کا کچھ یا بعض دفعہ بالکل متضاد اور الٹا مفہوم نکلتا ہے۔

لہذا میں نے کئی آیات پر کافی غور وخوض کیا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گویا علم حسن قرأت اور علم تجوید فرض عین ہے، کیونکہ اسلامی تعلیمات کی بنیاد بلکہ تمام علوم کی بنیاد قرآن وحدیث پر مشتمل ہے اور اس سے غفلت کی صورت میں ہم تحریف حروف یا کم از کم تحریف معانی کے مرتکب ہو سکتے ہیں اور پھر اس صورت میں تلاوت قرآن کے اجر وثواب کے بجائے سزا و عذاب کے مستحق بن سکتے ہیں۔ لہذا میں نے تلاوت قرآن کی فضیلت، حسن قرأت کی فضیلت اور اس کی فرضیت اور لوگوں کی اس سے بے اعتنائی و بے رخی برتنے پر اس کے نقصان وخسارہ پر مختصراً روشنی ڈالنے کی کوشش کی۔

اب ذیل میں چند قرآنی آیات کو اس کے مفہوم کے ساتھ پیش کر رہی ہوں جن سے علم تجوید وقرات کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

"الحمد للہ رب العالمین" "تمام تعریف اس رب کے لئے ہے جو تمام دنیا کا رب ہے۔
جب کہ مخارج کا خیال کئے بغیر قرأت کی صورت میں یہ آیت یوں سمجھی جائے گی"
"الھمد للہ رب الآلمین" "تمام پھٹے پرانے کپڑے اس رب کے لئے ہیں جو تمام

رنجیدہ لوگوں کا رب ہے۔

اسی طرح سورہ عصر کا مفہوم:

"والعصر. إن الإنسان لفی خسر. إلا الذین آمنوا وعملوا الصالحات وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر".

اور قسم ہے زمانے کی۔ بیشک انسان خسارہ میں ہے۔سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور حق اور صبر کی فہمائش کرتے رہے۔

جبکہ لاپرواہی کی صورت میں آیت ہوگی

"والأسر. إن الإنسان لفی خسر. إلا الذین آمنوا و املوا السالحات وتواسوا بالهك و تواسوا بالسبر".

ترجمہ: اور قسم ہے قید خانے کی۔ بے شک انسان خسارے میں ہے۔سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور ہتھیار بند کی امید کی اور فساد عقل اور صورت و جمال کی تسلی دیتے رہے۔"

نیز سورہ اخلاص کا مفہوم جو ثلث قرآن کے برابر ہے۔

"قل هو الله احد. الله الصمد. لم یلد ولم یولد. ولم یکن له کفوا احد"۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔اللہ بے نیاز ہے۔نہ اس نے جنا ہے اور نہ وہ جنا گیا ہے۔اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔

جبکہ اس سے غفلت کی صورت میں سورہ یوں پڑھی جائے گی۔

"کل هو الله اهد. الله السمد. لم یلد ولم یولد. ولم یکن له کفوا اهد"۔

اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھایئے وہ اللہ پست زمین ہے۔اللہ حیران و پریشان ہے۔نہ اس نے جنا اور نہ جنا گیا ہے۔اور کوئی پست زمین اس کا ہمسر نہیں۔

ویسے تو لفظ اُحد" عربی زبان کا ایسا لفظ ہے جو صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے ہی

مستعمل ہے اور اس لفظ کا کوئی بدل نہیں۔ مگر مخارج حروف سے بے توجہی کے نتیجے میں لفظ" وھد" سے نکلا ہوا لفظ" اُھد" میں مذکورہ بالا معنیٰ کا احتمال ہوسکتا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ

واضح رہے کہ مذکورہ بالا تمام بگڑی شکلوں کے کئی معانی ہو سکتے ہیں مگر یہاں پر محض ایک اشارہ دیتے ہوئے مخارج حروف کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

محض ان چند آیات کو پڑھ کر ہر قاری یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ اس طرح ہم تلاوت قرآن کی کتنی غلطیوں کے مرتکب ہو کر حقیقی مقصود کھو دیتے ہیں اور عنداللہ اجر وثواب سے محروم ہونے کے ساتھ ساتھ مستحق سزا بھی ہو جاتے ہیں۔

جس طرح مخارج حروف علم قرأت وتجوید میں انتہائی اہمیت کے حامل ہیں اسی طرح رموز واوقاف بھی اس کا اہم حصہ ہیں۔ کیونکہ کسی بھی زبان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لئے اس تحریر میں استعمال کی گئی علامتیں بہت اہمیت کی حامل ہیں۔ بسا اوقات اس کا صحیح علم نہ ہونے سے تحریر کا مفہوم الٹ جاتا ہے۔ مثلاً" روکو، مت جانے دو" کا مطلب یہ ہے کہ جانے والے کو روک دیا جائے لیکن اگر اس کو یوں پڑھا جائے ،" روکو مت، جانے دو"۔ تو مفہوم یہ ہوگا کہ جانے والے کو مت روکو، جانے دو۔ گویا ایک ہی جملے میں علامت اوقاف پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے دو متضاد مفہوم نکلنے کا پورا پورا امکان موجود ہے۔ اس سے کسی بھی تحریر میں علامتوں کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم کی آیات کا صحیح مفہوم سمجھنے کے لیے بھی استعمال کی گئی علامتوں کو سمجھنا بہت ضروری ہے جن کو رموز اوقاف کہا جاتا ہے۔

ذیل میں رموز اوقاف کی تفصیل پیش ہے:

۱۔ ○۔ یہ بات مکمل ہونے کی علامت ہے لہذا یہاں دوران تلاوت رکنا چاہیے۔

۲۔ لا۔ اس علامت پر نہ ٹھہرنا بہتر ہے لیکن ضرورت سے ٹھہرنے میں کوئی حرج نہیں۔

۳۔ م۔ یہ وقف لازم کی علامت ہے۔ یہاں ضرور ٹھہرنا چاہیے۔ نہ ٹھہرنے سے مفہوم میں خلل پڑ سکتا ہے۔

۴۔ ط۔ یہ وقف مطلق کی علامت ہے۔ یہ علامت وہاں ہوتی ہے جہاں بات کہنے والا مزید کچھ کہنا چاہتا ہے لہذا یہاں رک کر اگلی عبارت پڑھنی چاہیے۔

۵۔ ج۔ یہ وقف جائز کی علامت ہے۔ یہاں ٹھہرنا بہتر ہے مگر نہ ٹھہرنا جائز ہے۔

۶۔ ز۔ یہ لفظ "تجاوز" کا اختصار ہے۔ یہاں ٹھہرے بغیر گزر جانا چاہیے۔

۷۔ ص۔ یہ وقف مرخص کی علامت ہے۔ یہاں ٹھرنے کی رخصت ہے۔

۸۔ صلے۔ یہ "الوصل اولی" کا اختصار ہے۔ یہاں ملا کر پڑھنا بہتر ہے۔

۹۔ ق۔ یہ قبل علیہ الوقف کا مخفف ہے یہاں ٹھہرنا چاہیے۔

۱۰۔ صل۔ یہ قد یوصل کی علامت ہے۔ ٹھہرنا اور نہ ٹھہرنا دونوں طرح جائز ہے لیکن ٹھہرنا بہتر ہے۔

۱۱۔ قف۔ یہ ٹھرنے کی علامت ہے۔ یہاں پر ٹھہرنا چاہیے۔

۱۲۔ س/سکتہ۔ سانس توڑے بغیر معمولی رکنے کی علامت ہے۔

۱۳۔ وقفہ۔ سکتہ اور وقفہ کا ایک ہی مفہوم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وقفہ پر سکتہ کی نسبت زیادہ رکنا چاہیے۔

۱۴۔ لا۔ اس علامت پر ہرگز نہیں ٹھہرنا چاہیے۔

۱۶۔ لٰ۔ میں الف کا تلفظ ادا نہیں کیا جاتا جب کہ اوپر گول نشان ہو۔

۱۶۔ * *۔ جو عبارت تین تین نقطوں سے گھری ہوئی ہو اسے دوسرے تین نقطوں پر وصل کر کے پہلے تین نقطوں پر وقف کرنا چاہیے یا پہلے تین نقطوں پر وصل کر کے دوسرے تین نقطوں پر وقف کرنا چاہیے۔ اس علامت کو معانقہ یا مراقبہ کہتے ہیں۔

اس مضمون میں ، میں نے محض علم تجوید وحسن قرأت کی اہمیت وافادیت اور اس کی فرضیت اور اس سے بے توجہی کے نتیجے میں پیدا ہونے والے نقصانات اور رموز اوقاف کی نشاندھی کی ہے۔ کیونکہ یہ موضوع تفصیل طلب ہے جسے اس مختصر مضمون میں سمیٹا نہیں جا سکتا۔ لہذا اس سے مکمل واقفیت کے لیے علم تجوید وقرأت سے متعلق کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو بازاروں میں بے شمار تعداد میں دستیاب ہیں۔ علاوہ ازیں موجودہ ٹیکنیکل دور میں لا تعداد ویڈیوز اس سے متعلق موجود ہیں جن سے بآسانی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔

مذکورہ بالا دلائل وفکری توجیہات کے تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ علم تجوید وحسن قرأت کا حصول ہر مسلمان پر فرض عین ہے ورنہ بصورتِ دیگر قاری تحریف الفاظ یا کم از کم تحریف معانی کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ اور اس علم کے حصول کے ساتھ ساتھ قرآنی تعلیمات پر عمل کرنا بھی ضروری ہے جو اس کتاب کے نزول کا مقصد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس علم سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

* * * * *

اسلام میں تعلیم کی اہمیت

عامل صدیقی*

یوں تو سینہ گیتی پر بہت سے انقلابات آتے رہے ہیں اور انسانی تاریخ گواہ ہے کہ چار پانچ سو برس بعد دنیا نے کسی نہ کسی انقلاب کا منھ دیکھا ہے۔ زمین پر آنے والے انقلابات اپنی اپنی الگ نوعیت رکھتے ہیں۔ کوئی تیغ وتفنگ کی بنیاد پر آیا، کوئی خدا بیزاری کی بنیاد پر آیا، کسی کی بنیاد یہ رہی کہ دنیا سے بیزار ہو کر زندگی گزاری جائے۔ لیکن اسلامی انقلاب وہ واحد انقلاب ہے جس کی بنیاد علم تھی، تعلیم تھی اور اسی تعلیم کا اثر تھا کہ عرب کی وادیوں سے نکل کر اس انقلاب نے دیکھتے دیکھتے پوری دنیا کو اپنے حصار میں لے لیا اور آج بھی اسکی معنویت وافادیت بدستور باقی ہے اور کل بھی رہے گی، کیونکہ اسکی بنیاد میں علم ہی کی کارفرمائی ابتدا سے رہی ہے۔

اللہ نے جب انسان کی تخلیق کی تو سب سے پہلے انسان حضرت آدمؑ کو بنا کر انھیں اشیاء کے علم اور اس کی معرفت سے سرفراز کیا۔ اور آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰؐ پر پہلی وحی علم وقلم اور تعلیم کے تعلق سے نازل کی۔ اللہ کے نبیؐ نے ایک جگہ فرمایا بھی ہے کہ میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ اسلام کا دائرہ علم بہت وسیع ہے یہ صرف ناظرۂ قرآن پر مشتمل نہیں بلکہ قرانی افکار و نظریات پر غور وفکر کرنا حیات وکائنات کا مطالعہ کرنا۔ سبھی کچھ اسلام کے نظریہ تعلیم میں شامل ہیں۔ اسلام کا نظریہ تعلیم کس قدر وسیع ہے اسکا اندازہ ہم اس واقعہ سے کر سکتے ہیں کہ جس وقت

* لکچرر اردو، ایم۔جی۔ایس انٹر کالج، سلطان پور، یوپی

جنگ بدر کے چند قیدیوں کے پاس فدیہ دینے کو کچھ نہیں تھا تو اللہ کے نبیؐ نے فدیہ کی صورت میں ان کو اس بات پر مامور کیا کہ یہ لوگ مدینہ کے بچوں کو تعلیم دیں گے، ظاہر ہے وہ کافر و مشرک قرآن وفقہ کی تعلیم تو دیتے نہیں تھے انسے لٹریچر، حساب فلسفہ کی تعلیم حاصل کی گئی۔ اللہ کے نبیؐ نے صحابہ کرام کو دیگر ممالک کی زبانیں سیکھنے اور ساتھ ہی دیگر ممالک کے اسلحوں کی ٹیکنالوجی سیکھنے پر بھی مامور کیا تھا۔

اسلام کا یہی نظریہ تعلیم تھا جس کی بدولت یہ قوم دنیا میں ممتاز تھی۔ اگر ہم اسلامی دور کے عروج کی بات کریں تو اس میں بہت سے سائینس داں اور میتھ میٹیشین اسلام کی آغوش میں ہی پل کر بڑھے اور مختلف ایجادات کیں۔ اسپین کے دور حکومت میں مسلم سائینس داں پوری دنیا پر چھائے رہے اور اس وقت اہل یورپ کا حال یہ تھا کہ ایک مرتبہ برطانیہ کا ایک شخص اسپین سے میتھ میٹک سیکھ کر آیا تو برطانیہ میں اسے یہ کہہ کر قید کر دیا گیا کہ یہ تو جادو سیکھ کر آیا ہے۔ دنیا میں ہوائی جہاز بنانے کی پہلی کوشش اسپینش مسلم سائینس داں نے کی تھی۔

یہ ہمارا ماضی تھا۔ لیکن جب ہم پر زوال آیا تو ہم نے علم وتعلیم کے نام پر صرف فقہ کو اختیار کر لیا اور سائینس، میتھ، فلسفہ وٹیکنالوجی کو پس پشت ڈال دیا جب کہ ہمارے اجداد نے اس موضوع پر بہت سی کتابیں چھوڑی تھیں جس سے ہم فیض نہ اٹھا سکے۔ اور اہل یورپ اس پر ریسرچ کرتے کرتے دنیا میں ایک طاقت بن گئے۔ علامہ اقبال نے جب یورپ کا سفر کیا اور وہاں کے کتب خانوں کو دیکھا تو کہہ اٹھے۔

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں انکو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس قوم پر ایسا زوال آیا کہ اس نے مذہبی اور دنیاوی علم میں تفریق کرنا شروع کر دیا۔ جب کہ عصری علوم بھی عین منشائے دین ہیں۔ اس وقت حال یہ ہے کہ سائینس وٹیکنالوجی کے میدان میں عالم اسلام اہل یورپ کا دست نگر بن کر رہ گیا ہے۔ اور اپنے ملک ہندوستان کے مسلمانوں کا تو اور برا حال ہے دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی یہاں قیام کرتی ہے لیکن عصری علوم میں اس قدر پیچھے ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ بہت کم ملتے ہیں اور عصری و دینی علوم کی تفریق کا یہ نتیجہ بھی ہے کہ اگر کوئی اعلی تعلیم یافتہ ملتا بھی ہے تو وہ دین سے بے بہرہ ہے۔ آج مسلم آبادی کی کثیر آبادی چھوٹے موٹے کام پنکچر بنانے، ولڈنگ کرنے، الکٹریشین، انویٹر بیٹری وغیرہ کے ہی میدان میں کام کرتی نظر آتی ہے اور یہ آبادی بھی دین سے دور ہی ہے۔ جب کہ ہونا یہ چاہئے تھا کہ ہماری قوم تعلیم کی طرف توجہ دیتی اور تعلیم کا وہ رخ اختیار کرتے جو ہمیں اللہ کے نبیؐ اور قرآن کے ذریعہ ملا تھا تو ہم دنیا کی دیگر قوموں کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر بات کر سکتے تھے جس طرح ماضی میں اہل یورپ پر ہم حاوی تھے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دنیا میں بھی اور اس ملک میں بھی ہم اسلامی نظریہ تعلیم کو اپنائیں۔ اپنے ملک ہندوستان میں ہماری صفوں سے انجینئر، ڈاکٹر، پروفسر، وکلاء، جج اور زبان داں کو اٹھنے کی ضرورت ہے تاکہ اپنے کھوئے ہوئے وقار کو بحال کیا جا سکے۔

* * * * *

انا کے سائے

شرف الدین عظیم الاعظمی*

انسانی وجود جب انانیت کے حصار میں مقید ہوجاتا ہے، قلب ونگاہ کی کائنات کبر کے دائرے میں محصور ہوجاتی ہے، خود پسندی وخود ستائی کی بدلیاں اذہان پر چھا جاتی ہیں، غرور وتمکنت کے تاریک سمندر میں زندگی کا جزیرہ ڈوب جاتا ہے، شعور وفہم کی وادیاں غرق ہوجاتی ہیں، اور خود ساختہ امتیازات کے خمار اور انفرادیت کے نشے میں زندگی کا کارواں مدہوش ہوتا ہے تو لاشعوری طور پر کمتری کا احساس جنم لیتا ہے، وہ احساس جس کے خوفناک دلدل میں فکر ونظر کی دنیا بے بس ہوجاتی ہے۔

انانیت عروج آشنا ہوتی ہے تو امتیازی شان کی ہوس بھی پورے شباب پر آجاتی ہے، جسم وروح حد وعناد کے شعلوں میں سلگ اٹھتا ہے نتیجتاً غیر اخلاقی کردار، حیا سوز حرکات، انسانیت سوز افکار وخیالات، پامال نظریات اور اس پر قائم ہونے والی منتشر و بے ہنگم تحریریں وجود میں آتی ہیں۔

دنیا میں اس مرض سے بڑا کوئی عذاب نہیں ہے کہ انسان کا ذہن وقلب ہمہ وقت انا کے اذیت ناک طوفانوں میں گذرے۔ اس مرض میں جب کوئی آدمی گرفتار ہوتا ہے تو اس کو اپنے وجود کے علاوہ ساری دنیا ناقص نظر آتی ہے اور یہی وہ سبب ہے جو آگہی کے دروازے اس پر بند کردیتا ہے، ہمہ وقت اپنی تعریف وتوصیف کا خواہاں رہتا ہے، دوسرے کرداروں پر

* امام وخطیب: جامع انوار گوونڈی، شیواجی نگر، ممبئی

جب تحسین ہوتی ہے تو حسد کے شعلوں میں سلگنے لگتا ہے، اپنا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کے لئے کذب وافتراء کا سہارا لیتا ہے، وہ مخالفت میں ہی اپنی سرخ روئی سمجھتا ہے اس سے غرض نہیں ہے وہ جو فکر وہ پیش کررہا ہے وہ فطرت سے قریب ہے یا نہیں، صداقت سے ہم آہنگ ہے یا نہیں حقانیت کی تنویروں سے وہ معمور ہے یا نہیں؟

اسے شہرت چاہیے، ناموری چاہیے، امتیاز چاہیے اور ہر قیمت پر چاہیے اس راہ میں ضمیر وظرف کی سوداگری بھی وہ کرتا ہے، اپنے علاوہ دوسروں کی کردار کشی بھی وہ کرتا ہے، وہ اس متاع بے مایہ اور سود ونفع سے خالی سرمایہ کے حصول کے لیے اخلاقیات کو بھی پس پشت ڈالتا ہے اور عصبیت وعناد کے نشے میں انسانیت کے خیموں پر بھی شب خون مارتا ہے، تاکہ اس عمل کے ذریعے اس کی جھوٹی انا کو تسکین مل جائے، اور اس کی ذات ہر لحاظ سے، ہر زاوئے سے انفرادیت کے مقام پر پہونچ جائے۔

مگر اس کی مفلوج فکر وفہم اس بات کے ادراک سے عاجز ہوتی ہے کہ پیمبری کی ہوس کا فسوں بہت دیر تک نہیں رہتا ہے اور جب اس حصار سے فکر ونظر باہر آتی ہے تو رہا سہا سرمایہ بھی لٹ جاتا ہے، انسان کی صلاحیتیں یکساں نہیں ہیں، صد رنگ نہیں بلکہ ہزار رنگ ہیں، سچ یہ کہ یہ اختلاف ہی لامحدود ہے، کچھ خداداد ہیں کچھ کسبی ہیں، انسان صحیح سمت میں اور صحیح راہ سے اکتساب کا ہی مکلف ہے، اب ان صلاحیتوں کو دیکھ کر جادہ مستقیم کے ذریعے اکتساب تو یقیناً ترقی کا ضامن ہے، کامیابی کی کلید ہے اور فوز وفلاح کا حوالہ ہے، مگر اپنے فکری چراغ کو روشن کرنے کے لئے سورج کی روشنی کو قید کرنا جہاں انسانیت کے خلاف ہے وہیں انتہائی احمقانہ اور غیر دانشمندانہ عمل بھی ہے۔

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ راز انا پرست کے لئے راز ہی رہ جاتا ہے اسی آگ

میں اس کی پوری زندگی دوسروں کی کامیابی پر حسد وعناد کا بوجھ اٹھائے اس دنیا سے چلی جاتی ہے، وہ اپنے آپ کو پیغمبر کی طرح اس قدر مکمل سمجھتا ہے کہ دوسروں کی مخلصانہ نصیحتیں اسے تمام حقائق کے باوجود بے مقصد نظر آتی ہیں، حقانیت کی شمع فروزاں بھی اس کی نگاہوں میں بے سود ہوتی ہے۔

ظرف کی تنگی اسے کبھی اس سمت میں سوچنے، سمجھنے کا موقع ہی نہیں دیتی ہے، ایسے لوگ فطری طور سے معذور ہیں، وہ تعریف کے خوگر ہوتے ہیں اور ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے جھوٹی تعریف ناگزیر ہے، آپ اگر ان کی رہنمائی کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے کہ ان کی نگاہوں پر پردے، سماعتوں میں مدح وتملق کے کاپوس، اور قلب پر انانیت، خود پرستی، کی دبیز تہیں جمی ہوئی ہیں۔

*****

اقوال زرین

مستقبل کی فکر میں اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ مستقبل اللہ کے اختیار میں ہے۔ جس پر تمہارا قابو نہیں ہے، اس کی فکر کرنا عبث ہے۔ موجودے وقت میں جو کام ہے اسے قاعدے سے انجام دیتے رہو، یہی چیز مستقبل کی بنیاد بنے گی۔ اللہ تعالیٰ آج کے کام کے مطابق ان شاء اللہ مستقبل کا فیصلہ فرمائیں گے، اس لیے آج کے کام کو پختہ کرو۔ کل کی فکر کرنا، اللہ کے اختیار میں دخل دینا ہے۔ (استاذ العلماء حضرت مولانا اعجاز احمد اعظمیؒ)

افسانہ نما:

پیر کا خوف

ثالث ادیبی*

حاجی صاحب کی شدید خواہش تھی کہ ان کی کتاب کسی طرح شائع ہوجائے مگر سب سے بڑا مسئلہ اور رکاوٹ یہ تھی کہ اسے مرتب اور مہذب کرے کون؟ خود حاجی صاحب کے بس کا یہ روگ تھا نہیں اور نہ ان کے اردگرد ایسے افراد تھے جن سے وہ یہ کام لے سکیں۔

حاجی صاحب ایک باتوفیق انسان تھے، اللہ نے انھیں مال و دولت سے خوب نوازا تھا اور ساتھ دین داری کا ذوق اور علما و خدام دین کی محبت بھی ودیعت ہوئی تھی۔ شکل و شباہت ماشاء اللہ اہل اللہ والی تھی، کوئی اجنبی دیکھے تو اسے پیر شریعت کا گمان گزرے، اور یہ گمان کچھ ایسا غلط بھی نہ ہوتا، کیوں کہ حاجی صاحب پیر نہ سہی مگر اپنے زمانے کے مشہور پیر طریقت کے مرید ضرور تھے اور پیر کی محبت میں سرتا پیر غرق تھے۔

مال و دولت کی فراوانی کی وجہ سے کثرت سے انھیں حج کی توفیق ملی اور عمرے کے لیے تو ہر سال ہی مکہ و مدینہ حاضری دیتے تھے۔ حاجی صاحب کا معمول تھا کہ جب وہ حج یا عمرہ کے لیے جاتے تو اپنے ساتھ ایک مخصوص ڈائری رکھتے، جس میں وقتاً فوقتاً اپنے وارداتِ قلب کو اپنی ٹوٹی پھوٹی زبان میں لکھتے رہتے اور مقاماتِ مقدسہ میں گنگنانے کے لیے انھوں نے اسی ڈائری میں ڈھیر ساری دعائیں، نعتیں اور حمد لکھ رکھی تھیں۔ جب ڈائری کے سارے صفحات ان

* ادیب وصحافی

کی آڑی ترچھی لکیروں سے چھلکنے لگے تو ان کے دل میں خواہش جاگی کہ کوئی بندۂ خدا اسے مرتب ومہذب کردے تو وہ اسے شائع کردیں۔

ایک دن حاجی صاحب کو معلوم ہوا کہ ان کی دکان سے متصل ہاسپٹل میں ان کے ایک پرانے حج کے ساتھی زیر علاج ہیں۔ حاجی صاحب کو ان کی صلاحیتوں کا پہلے سے علم تھا، کیوں کہ ان کی علمی ودینی صلاحیت کے قدردان ان کے پیر صاحب بھی تھے۔ حاجی صاحب کے دل میں یہ خواہش انگڑائی لینے لگی کہ 'ڈائری کی ترتیب وتہذیب کا کام انھیں سے لیا جائے، کیوں کہ تصنیفی دنیا میں ان کی استنادی حیثیت مسلم ہے، اگر ان کا نام کتاب کے ساتھ جڑ جائے گا تو اس کی وقعت میں دس گنا اضافہ ہوجائے گا۔'

اسی خواہش کے ساتھ ایک دن حاجی صاحب عیادت کے لیے گئے، مگر ان کی طبیعت کی سنگینی دیکھ کر اپنی دبی خواہش کا اظہار نہ کرسکے۔ مہینوں بعد جب ان کی صحت بحال ہوئی تو حاجی صاحب نے جمعہ کے دن جمعہ کے بعد اپنے یہاں کھانے پر مدعو کیا اور درخواست کی کہ 'ہر جمعہ کو کھانا انھیں کے ساتھ کھائیں۔' ان کو کیا اعتراض ہوسکتا تھا، اور پھر حاجی صاحب جیسے متدین شخص کی دعوت کو ٹھکرانا کسی اعتبار سے مناسب نہیں لگا، سو جمعہ کے دن جمعہ بعد حاجی صاحب کے یہاں کھانے کا معمول بن گیا۔

ایک جمعہ کو کھانے کے بعد حاجی صاحب نے ان کے سامنے ایک قدرے بوسیدہ ڈائری رکھی جس میں آڑی ترچھی لکیریں کھینچی ہوئی تھیں اور جا بجا مختلف کتابوں کے تراشے چپکائے گئے تھے۔ حاجی صاحب نے بتلایا کہ 'یہ میری حج کی ڈائری ہے جس میں حج کی یادداشت، مشاہدات وتجربات اور واردات قلبی کو میں نے لکھ رکھا ہے، میری خواہش ہے کہ آپ اسے لے جائیں اور اس پر ایک نگاہ ڈال لیں کہ اس میں کوئی قابل اعتراض چیز تو نہیں ہے نا،

تا کہ مجھے اطمینان ہو جائے۔' انھوں نے 'اچھا' کہا اور اپنے پاس ڈائری رکھ لی۔

حسب معمول جب دوسرے جمعہ کو وہ پہنچے تو ایسا لگا کہ حاجی صاحب بڑی بے تابی سے ان کے منتظر تھے، علیک سلیک کے بعد چھوٹتے ہی پوچھا کہ 'ڈائری دیکھ لی آپ نے؟' انھوں نے کہا کہ 'طبیعت کے اضمحلال اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے ابھی نہیں دیکھ سکا ہوں، جیسے ہی موقع ملے گا فوراً دیکھ کر آپ کو اطلاع کروں گا۔'

یہ سن کر جیسے حاجی صاحب پر گھڑوں پانی گر گیا ہو، حاجی صاحب نے اپنے ذہن میں جو خاکہ تیار کیا تھا، اس کے اعتبار سے یہ جواب بالکل غیر متوقع تھا، مگر کوئی شخص کسی کے توقع و تحفظ کے اعتبار سے تو کام کرے گا نہیں، بلکہ وہ اپنی مصروفیت اور سہولت کے حساب سے کام کرے گا۔ شاید ارد گرد ملازمین کی کثرت کی وجہ سے حاجی صاحب کی نگاہ سے زندگی کی یہ اہم حقیقت اوجھل رہ گئی تھی۔

بہر کیف! انھوں نے ضبط کیا، مسکرانے کی کوشش کی اور ملازم کو دسترخوان چننے کا حکم دیا۔ خاموشی سے کھانے کا عمل مکمل ہوا، مگر دسترخوان اٹھتے اٹھتے حاجی صاحب کی بے صبری چھلک پڑی اور حرفِ مدعا زبان پر لاتے ہوئے گویا ہوئے کہ 'اصل بات یہ ہے کہ میں وہ ڈائری طبع کرانا چاہتا ہوں، اگر آپ ذرا وقت نکال کر اس کا کور کسر درست کر دیں تو آگے کے مراحل طے کیے جائیں۔' انھوں نے کہا کہ 'یہ کام تو میری نگرانی میں میرا بیٹا بھی کر سکتا ہے، میں ابھی جاتے ہی ڈائری اس کے حوالے کر دیتا ہوں اور طریقۂ کار کی ہدایت کر دیتا ہوں۔' یہ سن کر حاجی صاحب کے چہرے کی رونق بحال ہو گئی اور بڑی لجاجت سے کہا کہ 'ہاں یہ بھی ٹھیک ہے مگر ذرا جلد ہو جائے بہتر ہو۔'

حاجی صاحب کو اب اطمینان ہو گیا تھا کہ کام اب جلد ہی ہو جائے گا اور کتاب جلد ہی

طبع ہوجائے گی۔ رات میں سوتے تو خواب میں کتاب اڑتی نظر آتی، دکان آتے ہوئے جب کتاب فروشوں کے پاس سے گزرتے تو تصور کی نگاہ سے کتب خانوں میں اپنی سجی ہوئی کتاب دیکھتے اور اس کے اردگرد لوگوں کا ہجوم دیکھ کر دل ہی دل میں مسکراتے، بلکہ آٹوگراف کے لیے مستقل ایک قلم بھی انھوں نے خرید لیا اور بہت سی عبارتیں بھی اپنے دماغ میں محفوظ کر لی تھی کہ جب قدردانوں کی بھیڑ لگے گی تو دستخط کے ساتھ یہ عبارت لکھیں گے۔ اپنے ملازمین سے بار بار کتاب کا ذکر کرتے اور ان کی تعریفی باتیں سن کر خوش ہوتے۔

ایک رات کتاب کے تصور میں محو، بستر پر کروٹ بدل رہے تھے کہ اچانک خیال آیا کہ کتاب اپنی دکان کے پتے سے شائع کرنے کی بجائے کیوں نہ اپنے حضرت کے مدرسے کے پتے سے طبع کرائی جائے، اس سے کتاب ایک بڑے حلقے میں پہنچ جائے گی اور کتاب کے منافع سے مدرسے کا تعاون بھی ہوجائے گا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ مدرسے کے موجودہ ذمہ دار یعنی حاجی صاحب کی موجودہ پیر طریقت سے بہت زیادہ مزاجی ہم آہنگی نہیں تھی۔ حاجی صاحب کے اصل پیر کا انتقال ہوئے تقریباً پندرہ سال ہوگئے تھے اور موجودہ پیر اُن کے صاحب زادے تھے۔ سجادہ نشینی کے مرحلے میں بڑے پیر صاحب کے سارے مریدین وخلفا نے ان سے رجوع کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اس لیے وفاداری ثابت کرنے کے لیے حاجی صاحب کو بھی مراجعت کرنی پڑی، تاکہ برادری سے ٹاٹ باہر نہ کردیے جائیں۔ گویا آپ کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ پیر طریقت حاجی صاحب کے سوتیلے پیر تھے جو ان کی مرضی سے نہیں بلکہ بہ درجہ مجبوری ان پر مسلط کیے گئے تھے۔

اس کے باجود بھی حاجی صاحب اس معنی کر پُر امید تھے کہ طباعت کا صرفہ وہ اپنی جیب سے ادا کریں گے، مدرسہ کی گرہ سے کچھ جانا نہیں ہے، کتاب سے جو بھی رقم آئے گی وہ

مدرسے کے حساب میں شامل ہوگی۔ یعنی مدرسے کا ہر صورت میں نفع طے ہے، اور کون ذمہ دار ہوگا جو اپنے مدرسے کا فائدہ نہیں چاہے گا۔ مگر چوں کہ ذہن کے کسی گوشے میں کچھ نہ کچھ تحفظات بھی تھے، اس لیے حاجی صاحب نے طے کیا کہ اس سلسلے میں حضرت سے بات بالکل اخیر مرحلے میں یعنی کتاب جب پریس کے لیے بالکل تیار ہو جائے گی، تب کی جائے گی۔

ایک مہینے میں کتاب ترتیب و کتابت کے مراحل سے گذر کر طباعت کے تیار ہوگئی، حاجی صاحب حسب معمول انتہائی ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔ ایک جمعہ کو ساری تفصیل جو اُن کے ذہن میں تھی، بتلائی اور ایک عمدہ مقدمے کے لیے بضد ہو گئے۔ انھوں نے کہا بھی کہ 'میرے مقدمے اور نام کے ساتھ آپ کے حسب دل خواہ کبھی بھی کتاب طبع نہیں ہو پائے گی بلکہ شاید ہمیشہ کے لیے آپ کو اسے ٹھنڈے بستے میں ڈالنا پڑے۔' لیکن حاجی صاحب مصر رہے کہ 'میں سارے معاملات سنبھال لوں گا۔' انھوں نے حاجی صاحب کے اصرار کے سامنے سپر ڈال دی اور ان کی طرف سے ایک پیش لفظ اور اپنی طرف سے ایک مقدمہ لکھ دیا۔ اب گویا کتاب ہر اعتبار سے مکمل ہوگئی۔

دوسرے دن طباعت کے معاملے میں ایک ماہر تجربہ کار شخص خدمات حاصل کی گئی اور اخراجات وغیرہ کے سارے امور طے کر لیے گئے۔ حاجی صاحب خوش تھے بلکہ انتہائی خوش تھے، ایسا لگتا تھا کہ ان کی زندگی کے چند ایک بہترین ایام میں سے یہ بھی ہیں، بار بار فون کرتے اور مبارک سلامت کے بعد دعاؤں سے نہال کر دیتے۔ حسب معمول ایک صبح ان کا فون آیا مگر خلاف معمول ان کی آواز بڑی بجھی بجھی سی محسوس ہوئی، علیک سلیک کے بعد کہا کہ 'کتاب جس مرحلے میں ہے، وہیں رکوا دیجیے، حضرت اپنے مدرسے کے پتے سے اس کی طباعت پر راضی نہیں ہیں۔'

’تو آپ اپنے پتے سے طبع کرا لیجیے۔‘

’نہیں یہ بھی نہیں ہوسکتا۔‘

’ایسا کیوں؟‘

’اس لیے کہ اس میں کچھ نام ایسے ہیں جو حضرت کو پسند نہیں ہیں۔‘

’تو پھر ان ناموں کو ہٹا دیجیے اور صرف اپنے حضرت کے نام کو باقی رکھیے۔‘

’یہ دیانت کے خلاف ہے اور پھر دنیا جانتی ہے کہ حضرت میں اس کام کی اہلیت نہیں ہے۔‘

’تو پھر کیا کریں گے؟‘

’دو تین نسخے پرنٹ کرا کے اپنی تسلی کے لیے رکھ لوں گا، ممکن ہے میرے اور حضرت کے دنیا سے جانے کے بعد کوئی قدرداں اسے شائع کر دے۔‘.....

*****

مسئلۂ فلسطین

ہمام احمد صدیقی ایڈوکیٹ*

فلسطین انبیاء کی سرزمین ہے جہاں سب سے زیادہ نبی پیدا ہوئے، ابراہیم علیہ السلام کا آخری مسکن اور عیسی علیہ السلام کی جائے پیدائش ہے، ہمارا قبلہ اول جس کی طرف کھڑے ہوکر نماز پڑھی جاتی رہی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کی امامت یہیں پر کی اور یہیں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معراج کے لئے تشریف لے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یروشلم فتح ہوا، ایک عرصے تک وہاں مسلمانوں کی حکومت رہی پھر عیسائیوں نے دوبارہ قبضہ کرلیا۔ اسکے بعد صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ نے دوبارہ اسے آزاد کرایا، فلسطین ملک شام کا حصہ رہا ہے۔، شام اس وقت چار حصوں میں تقسیم ہے۔ شام (سیریا)، لبنان، اردن اور فلسطین۔

فلسطین پر خلافت عثمانیہ کی تھی جب برطانیہ نے 1917 میں اس پر قبضہ کیا اسوقت وہ اسی کا حصہ تھا۔ 1916 میں عربوں نے عرب قومیت کا نعرہ لگا کر خلافت سے بغاوت کردی، اس بغاوت میں حسین بن علی الہاشمی شریف مکہ کا اہم کردار تھا۔ یہ حکومت برطانیہ کی خلافت کو ختم کرنے کی سوچی سمجھی سازش تھی۔ ٹی ای لارینس جو کہ لارینس آف عربیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ یہ برطانوی حکومت میں انٹلیجنس افسر تھا اور اسی نے عربوں میں عرب قومیت کو ہوا دی۔ مصر میں برطانیہ کا سفیر سر ہینری میک مہون اور شریف مکہ کے درمیان خط و کتابت اس

* موبائل۔ 9971284722 ای میل: humam.siddiqui726@gmail.com

بات کا ثبوت ہیں۔ ان خطوط میں اس بات کا ذکر ہے کہ حکومت برطانیہ عربوں کی بغاوت کو صحیح ٹھہرائے گی۔ بغاوت کامیاب رہی اور عربوں کا علاقہ خلافت عثمانیہ سے الگ ہو گیا۔ وہاں بادشاہت قائم ہو گئی۔ عرب ممالک جو کبھی خلافت عثمانیہ کا حصہ تھے ملوکیت میں تبدیل ہو گئے۔ پہلی جنگ عظیم میں خلافت عثمانیہ جرمنی کا اتحادی تھا عربوں کی بغاوت اور جرمنی سے اتحاد نے اسے اور کمزور کر دیا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران 2 نومبر 1917 کو برطانیہ حکومت کی جانب سے ایک عوامی بیان جاری کیا گیا جسے اسکے وزیر خارجہ آرتھر بالفور نے کیا۔ آرتھر بالفور خود ایک یہودی تھا۔ یہ بالفور اعلامیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس اعلامیہ میں یہ بات کہی گئی تھی کہ نیشنل ہوم لینڈ یہودیوں کے لیے ہونا چاہیے۔ اس وقت تک پوری دنیا میں یہودیوں کی کوئی حکومت نہیں تھی۔ یہودی اللہ تعالی کی طرف سے لعنت زدہ قوم ہے۔ انہوں نے اللہ کی نافرمانی کی، نبیوں کی تعلیمات میں تحریف کی انھیں قتل کیا جبکہ اللہ تعالی نے اسے دنیا کی امامت کے منصب سے سرفراز کیا تھا اور بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا۔ قرآن میں اس کا ذکر تفصیل سے ملتا ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران 1917 میں برطانیہ نے فلسطین پر حملہ کر دیا۔ خلافت عثمانیہ کی فوجوں نے اسکا مقابلہ کیا، باقاعدہ کئی دنوں تک جنگ چلتی رہی اور دونوں طرف سے بہت لوگ مارے گئے۔ بالآخر برطانیہ کی فتح ہوئی اور 30 دسمبر 1917 کو اسکا قبضہ ہو گیا۔ خلافت عثمانیہ جو کہ عربوں کی بغاوت اور پہلی جنگ عظیم میں شرکت کی وجہ سے کمزور ہو گئی تھی مزید کمزور ہو گئی اور بالآخر 1924 میں اسکا خاتمہ ہو گیا۔ امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر گیا۔ آج سو سال ہونے کو ہیں خلافت کی عدم موجودگی کی وجہ سے یہ امت پستی اور ہزیمت کا شکار ہے۔ برطانیہ کے قبضے کے بعد فلسطین میں یہودیوں کو دوسرے ملکوں سے لاکر بسایا جانے لگا۔

اسوقت فلسطین میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اسکے بعد عیسائی اور سب سے کم تعداد میں یہودی تھے۔ یہودی فلسطین میں بسنے لگے اور زمینیں خریدنا شروع کیں۔ ادھر عالمی سطح پر سازشیں جاری تھیں۔ پہلی جنگ عظیم کے برطانیہ کے اتحادیوں کی سپریم کونسل کی میٹنگ 1920 میں پیرس میں ہوئی جس میں کونسل نے بالفور اعلامیہ کی حمایت کی۔ 1922 میں لیگ آف نیشنز جو کہ اقوام متحدہ کی طرح عالمی ادارہ تھا نے بھی بالفور اعلامیہ پر مہر لگادی۔

ان سب سازشوں اور مظالم کے درمیان فلسطین کے مسلمان خاموش نہیں رہے بلکہ یہودیوں کو بسانے کے خلاف جدوجہد جاری رکھی۔ 1920 میں یروشلم کے مفتی اعظم محمد امین الحسینی فلسطینیوں کے لیڈر کے طور پر ابھرے اور قیادت سنبھالی، انھوں نے برطانیہ کے خلاف جہاد کا فتوی بھی دیا تھا۔ مسلمانوں کی جدوجہد جاری رہی۔ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان کئی بار فسادات ہوئے اور بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ مسلمانوں کو زبردستی انکی زمینوں سے بے دخل کیا گیا جسکے نتیجے میں انکی بڑی تعداد دوسرے ملکوں ہجرت پر مجبور ہوئی۔

1930 میں عزالدین القسام فلسطین تشریف لائے۔ ان کا تعلق سیریا سے تھا وہ ایک عظیم مصلح اور مجاہد تھے۔ وہ پہلے لیبیا اور الجزائر میں استعماری قوتوں کے خلاف برسرپیکار تھے۔ انہوں نے فلسطین میں ایک جماعت کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت نے برطانیہ اور یہودیوں کے خلاف کامیاب حملے کئے۔ 1935 میں القسام شہید ہو گئے۔ عزالدین القسام کے نام سے ہی حماس نے بریگیڈ بنائی ہے جو اسرائیلی جارحیت کا مقابلہ کرتی ہے۔ القسام کی شہادت کے نتیجے میں مسلمانوں کی طرف سے سب سے بڑی بغاوت ہوئی۔ یہ 1939 تک جاری رہی۔ اس میں ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور ہزاروں ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ادھر مسلمان جدوجہد کرتے رہے اور دوسری طرف باطل کی سازشیں جاری تھیں۔ اقوام متحدہ جسکا قیام 24

اکتوبر 1945 کو ہوا تھا اس نے 29 نومبر 1947 کو اسرائیل کے قیام کے لئے ایک قرارداد منظور کی۔ اس قرارداد کے بعد ایک بار پھر فسادات بھڑک اٹھے۔ بالآخر 14 مئی 1948 کو ڈیوڈ بین گوریان (پہلے اسرائیلی صدر) نے اسٹیٹ آف اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا۔

فلسطینی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی میں عربوں کا کوئی رول نہیں رہا، وہ یہودیوں اور برطانیہ سے مذاکرات اور معاہدے کرتے رہے، اگر عرب خلافت عثمانیہ کو کمزور نہ کرتے تو شاید اتنی آسانی سے برطانیہ کا قبضہ فلسطین پر نہ ہوتا، عربوں نے جس عرب قومیت کا نعرہ لگایا تھا تو فلسطین ان کی مدد کے زیادہ مستحق تھے کیونکہ فلسطین عربوں کا علاقہ تھا اور وہاں کے مسلمان عرب تھے۔ اس پوری تاریخ سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ عیسائیوں نے اسرائیل کے قیام میں اپنی پوری قوت لگادی آج بھی وہ اس کی پشت پر کھڑے ہیں، امریکہ روس اور پورا یورپ اس کے ساتھ ہے، اقوام متحدہ اور لیگ آف نیشنز نے بھی اس کی پشت پناہی کی ہے، اقوام متحدہ نے آج تک مسلمانوں کے کسی بھی مسئلے کو حل نہیں کیا ہے بلکہ اسے مزید پیچیدہ بنایا ہے۔ ان حالات میں ہمیں اپنے دشمن کو پہچاننا چاہیے اور خود اپنی طاقت اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے جدوجہد جاری رکھنی چاہیے، حماس اس کی زندہ مثال ہے، حماس کے جیالوں نے جس پامردی کا مظاہرہ کیا اور سپر پاور اسرائیل کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا اس کی مثال تاریخ میں کم ہی ملتی ہے، حماس کی فتح نے ثابت کر دیا ہے کہ جنگ حوصلوں اور قربانی دے کر لڑی جاتی ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ بیت المقدس ایک دن ضرور آزاد ہوگا اسی طرح، جس طرح صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے آزاد ہوا تھا، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا اور دشمن ان کو نقصان نہ پہنچا سکے گا، صحابہ رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا وہ لوگ کہاں ہوں گے؟ فرمایا بیت المقدس اور اس کے ارد گرد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر دنیا ختم ہونے میں ایک دن باقی رہے تو اللہ تعالیٰ اس دن کو اتنا لمبا کردے گا یہاں تک کہ اس امت کا آخری فرد دجال کو قتل نہ کردے، صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہ لوگ کہاں ہوں گے فرمایا تم لوگ نہر اردن مشرق میں ہوگے اور وہ اس کے مغرب میں ہوں گے یہاں تک یہودی کسی درخت یا پتھر کے پیچھے چھپا ہوگا تو درخت اور پتھر کہے گا کہ اے مسلمان اے اللہ کے بندے یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہے آؤ اور اسے قتل کردو۔

*****

موت العالم موت العالم

موصول اطلاع کے مطابق پاکستان کے نامور عالم دین حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحبؒ رئیس وشیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۳۰؍جولائی ۲۰۲۱ء کو عالم فانی سے عالم بقاء کی طرف کوچ کر گئے "إنا للہ وإنا إلیہ راجعون"

آپ کی ولادت ۱۹۳۵ء کو ایک متمول اور دینی گھرانے میں ہوئی، میٹرک تک دنیاوی حصول کے بعد آپ دینی علوم کی طرف متوجہ ہوئے اور ۱۹۵۶ء میں علامہ بنوری ٹاؤن میں درس نظامی کی تکمیل کی، بعد ازاں آپ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور جامعہ ازہر مصر میں بھی تعلیم حاصل کیا اور مصر سے ڈاکٹریت کیڈگری بھی حاصل کی ظاہری علوم کی طرح باطنی تربیت میں بھی آپ نے مختلف خانقاہوں کی جاروب کشی کی، چنانچہ علامہ یوسف بنوری کے علاوہ شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی اور ڈاکٹر عبدالحی عارفی کے فیض یافتہ اور حضرت یوسف لدھیانوی اور مولانا سرفراز خان صفدر کے خلیفہ ومجاز بیعت تھے

تعلیم وتعلم کی رسمی فراغت کے معاً بعد آپ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں استاذ مقرر ہوئے اور پھر مولانا حبیب اللہ کی شہادت کے بعد رئیس الجامعہ اور مفتی نظام الدین شامزئی کی شہادت کے بعد شیخ الحدیث کے منصب پر جلوہ افروز ہوئے، فتنۂ قادیانیت کی سرکوبی کے لئے آپ کے کارہائے نمایاں کو ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔

تحذیر الناس کے حواشی وتکمیلات

حفظ الرحمن الاعظمی*

''تحذیر الناس'' وہ شہرہ آفاق کتاب ہے جس نے ہر انصاف پسند شخص کے دل میں حضرت نانوتوی کی عظمت و رفعت اور عقیدت ومحبت کا سکہ جما دیا، یہ بات پورے یقین اور اذعان کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ۷۵ صفحے کے اس مختصر رسالے کی نظیر پورے اسلامی کتب خانوں میں ملنی مشکل اور دشوار ہے، ''تحذیر'' میں حضرت نے جس عنوان کو اپنی فکر کا محور بنایا ہے وہ عنوان آپ سے پہلے تشنہ بلکہ یہ کہیے کہ کسی بھی عالم وفلسفی کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آیا تھا، فضیلت محمدی اور خاتمیت محمدی کو عقلی دلیلوں سے اس طرح مدلل اور مبرہن کرنا کی ہزاروں سالہ انسانی تاریخ کا ہر جزیہ اپنے کلی پر منطبق ہوتا ہوا نظر آئے، ہر واقعے کی تہہ میں علت ومعلول کی کرشمہ سازیاں دکھائی دے یہ صرف حضرت نانوتوی کے علم کی شان اور فکر وخیال کی پرواز کا کمال ہے جو ''تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس'' کی صورت میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ حق نواز جھنگوی شہید علیہ الرحمہ اس کتاب کے بارے میں فرماتے ہیں":

> جتنا مجھ سے ہوسکتا تھا، یا میں مطالعہ کرسکتا تھا، یا جہاں تک میرا دماغ، میری نظر، میرا شعور اور میری عقل کام کرسکتی تھی، یا جتنا از خود مطالعہ کرسکتا تھا، یا کسی سے تحقیق کرا سکتا تھا، یا بڑے بڑے جید علماء کے لٹریچر کا مطالعہ کر کے معلومات لے سکتا تھا، یا جہاں تک مختلف فرقوں کے لٹریچر کا مطالعہ میرے بس میں تھا، میں نے ایک طویل مدت تک اس کا مطالعہ

* استاذ مدرسہ قاسم العلوم، گوونڈی، شیواجی نگر، ممبئی

کیا، طالب علمی کے زمانے میں مطالعہ کیا، تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد آج تک پندرہ بیس سال کی مدت مطالعے میں گزار دیا، اور یہ مطالعہ مسلسل جاری ہے، میرے اس مطالعہ اور تعلیمی استعداد کے مطابق میرے سامنے ایسی کوئی مدلل کتاب اس سوال کے جواب میں ـــــ سوائے مولانا قاسم نانوتوی کی کتاب کے ـــــ اور کوئی نہیں آئی جو انہوں نے اس موضوع پر لکھی کہ آخر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سلسلہ نبوت کا اختتام کیوں ہوا؟ کسی اور نبی پر اس کا خاتمہ کیوں نہیں ہوا؟ اور یہ سلسلہ ختم کیوں کیا گیا؟ یہ سلسلہ برابر جاری کیوں رہا؟؟ چنانچہ ذمہ داری کے ساتھ خانۂ خدا میں کھڑے ہو کر عرض کر رہا ہوں کی کم از کم اس کتاب کو جو اردو زبان میں ہے میں نے آٹھ مرتبہ پڑھا ہے"۔

(سالنامہ سرخرو، ص ۴۴۴ بحوالہ مقدمہ تنویر النبراس)

لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ اپنی الگ طرز نگارش، بلند پایہ مضامین، انوکھے استدلال اور سب سے بڑھ کر اپنے انفرادی موضوع کی وجہ سے ـــــ کہ جس پر پچھلے چودہ سو سالوں میں کبھی قلم نہیں اٹھایا گیا ـــــ ''تحذیر الناس'' اوساط علمیہ میں ایک پیچیدہ اور دقیق کتاب سمجھی جاتی ہے اس کے مشتملات کا سمجھنا عوام تو کجا بسا اوقات اہل علم کے لئے بھی دشوار ہو جاتا ہے، البتہ ''تحذیر'' کی طباعت کے بعد غیروں کی کرم فرمائیاں اور اپنوں کی توجہ سے اس عنوان پر خاصی پیش رفت ہوئی اور کئی لاجواب تصنیف منظر عام پر آئیں جن میں اکثر کی حیثیت ''تحذیر'' کے تتمہ و تکملہ کی ہے اور جس کی وجہ سے ''تحذیر الناس'' کے مندرجات کا سمجھنا قدرے آسان ہو گیا۔

مناظرہ عجیبہ:

''تحذیر الناس'' پر جہاں ایک طرف مخصوص ذہنیت کے افراد نے طوفان اٹھا رکھا تھا اور شان سے تکفیری فتوے شائع کر رہے تھے، وہیں کچھ سنجیدہ حضرات ایسے بھی تھے جو

واقعی مسئلہ کی نوعیت کو سمجھنا اور ''تحذیر'' کے مشتملات پر اپنے اشکال کا ازالہ چاہ رہے تھے، ان میں ایک محترم نام خیرابادی مکتبۂ فکر کے باوقار عالم دین ''حضرت مولانا عبدالعزیز امروہویؒ'' کا تھا۔

مولانا عبدالعزیز نے سب سے پہلے ''تحذیر الناس'' پر محذورات عشرہ کے نام سے اپنے دس اشکالات ''حضرت نانوتوی'' کے دربار میں ارسال فرمائے بعدازاں دونوں کے درمیان خط وکتابت شروع ہوئی جانبین سے چار چار خطوط لکھے گئے مولانا عبدالعزیز صاحب اعتراضات لکھتے ''حضرت نانوتویؒ'' ان کے جوابات تحریر فرماتے اور پھر اس پورے سلسلۂ مراسلت کو ''مناظرہ عجیبہ'' کے نام سے شائع کیا گیا، کتاب کے دو حصے ہیں، حصہ اول میں محذورات عشرہ اور اس کا جواب جب کہ دوسرے حصے میں وہ چار خطوط اور ان کے تفصیلی جوابات ہیں۔ (مناظرہ عجیبہ مکتبہ قاسم العلوم کورنگی کراچی، نگارشات اکابر، ص ۵۱۶)

یہ کتاب جہاں ''تحذیر'' پر اٹھنے والے اعتراضات کے دبیز پردوں کو چاک کرتی ہے وہیں ''تحذیر الناس'' کے مشتملات کی تفہیم میں کلیدی کردار بھی ادا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ ایک زمانے تک کی علمی حلقوں میں اس کو ''شرح تحذیر الناس'' کے نام سے جانا جاتا تھا، البتہ اپنے عہد کی دو جلیل القدر ہستی کی مراسلت ہونے کی بنا پر ''تحذیر الناس'' کی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ دقیق اور پیچیدہ کتاب ہے جس میں منطق وفلسفہ کی اصطلاحات کا انبار لگا ہوا ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اعتراضات وجوابات کا خلاصہ حاشیہ میں ذکر کردیا جائے تاکہ علوم قاسمیہ سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لئے استفادہ آسان ہوسکے۔

نوٹ: ''حضرت مولانا عبدالحمید سواتیؒ اور حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحبؒ'' فرماتے ہیں کہ بالآخر مولانا عبدالعزیز نے حضرت نانوتوی کے موقف کو تسلیم کرلیا تھا۔

(دیکھئے نگارشات اکابر، ص ۵۱۶ کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے، ص ۵)

خاکسار کو مناظرہ عجیبہ میں ایسی کوئی عبارت نہیں مل سکی جس سے یہ سمجھ میں آئے کہ حضرت مولانا عبدالعزیز نے مولانا کے موقف کو تسلیم کرلیا تھا کتاب کے آخری صفحے تک صاف محسوس ہوتا ہے کہ مولانا عبدالعزیز کے اشکالات جوں کے توں تھے البتہ ایک دوسرے کا احترام اور ایک دوسرے کے فضل وکمال کا اعتراف دونوں جانب سے دیکھنے کو ملتا ہے۔

تنویر النبر اس علی من انکر تحذیر الناس:

''تحذیر الناس'' کے تردیدی سلسلے کی ایک کتاب قول فصیح بھی تھی، جس میں ''تحذیر'' اور صاحب تحذیر پر ناروا تبصروں، سطحی اعتراضات اور بیجا الزامات کی بھرمار تھی، جب حضرت نانوتوی میرٹھ تشریف لائے تو کسی نے یہ کتاب آپ کو دکھائی، حضرت نانوتوی نے کتاب دیکھی پڑھا اور اسی کتاب کے حاشیہ پر جواب لکھنا شروع کردیا اور ایک دن میں تمام شبہات کے جواب لکھ کر مکمل فرمادیے، جو تقریباً ڈیڑھ سو صفحات کا مضمون ہے، آپ نے اس رسالے کا نام ''ردقول فصیح'' رکھا ہے مگر بعد میں غالباً خود حضرت نانوتوی یا آپ کے کسی شاگرد نے اس تالیف کو تنویر النبر اس علی من انکر تحذیر الناس کے نام سے موسوم کردیا۔ (قاسم العلوم احوال واثار وباقیات، ص ۵۵۱)

''تحذیر الناس'' کے دفاع میں جو کچھ بھی تحریر کیا گیا ہے خاکسار کی نگاہ میں ''تنویر النبر اس'' ان میں سب سے فائق ونمایاں ہے ''تنویر النبر اس'' کی زبان انتہائی سادہ وشستہ، منطق وفلسفہ کی غامض و دقیق بحثوں اور اصطلاحوں سے مکمل اجتناب، ''تحذیر الناس'' پر وارد ہونے اعتراضات کا کافی وشافی جواب اور ''تحذیر الناس'' کے مندرجات کو سمجھنے میں سب سے زیادہ معاون ومددگار ہے، اگر کوئی کتاب ''تحذیر'' کا تتمہ و تکملہ اور سب سے بہترین شرح کہلانے کے لائق ہے تو بلاشبہ وہ ''تنویر النبر اس علی من انکر تحذیر الناس'' ہے۔

ازالۃ الوسواس:

اسی زمانے میں ''مولانا محمد علی چاند پوریؒ'' نے بھی ''تحذیر الناس'' پر کچھ اشکال کئے تھے جس کا جواب ''حضرت نانوتوی'' کے شاگرد ''مولانا سید احمد حسن امروہویؒ'' نے ''ازالۃ الوسواس'' کے نام سے تحریر فرمایا تھا، چنانچہ ''مولانا عبدالغنی پھلاودیؒ'' کو اپنے ایک مکتوب میں تحریر میں فرماتے ہیں:

> میں نے ''ازالۃ الوسواس'' کی نقل سے فراغت پالی ہے، احقر نے باریک قلم سے اس کو لکھا ہے بارہ ورق ہوئے ہیں، انشاء اللہ آج دہلی بھیج دونگا، ''مولوی اسماعیل علی گڑھیؒ، مولوی فخر الحسن گنگوہیؒ'' وغیرھما نے اس رسالہ کو سنا اور پسند آیا، .....''مولوی آل حسن امروہویؒ'' (مؤلف نخبۃ التواریخ) ''مولوی عبدالہادیؒ'' نے بھی اس مسودہ کو سنا بظاھر بہت مداح تھے آگے خدا جانے ان کے دل میں کیا ہے۔ (مکتوب سید العلماء، ص ۹۳، ۹۴)

مولانا محمد علی چاند پوری کے اعتراضات کا جواب خود ''حضرت نانوتویؒ'' نے بھی تحریر فرمایا تھا چنانچہ ''مولانا سید عبدالعزیز امروہویؒ'' ''مناظرہ عجیبہ'' کے پہلے خط میں تحریر فرماتے ہیں:

> آپ نے جو رسالہ تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس تحریر فرمایا ہے اس عرصے میں نظر فقیر سے گزرا تو اس پر بہت سے شبہات اور محذورات وارد بر ذہن ناقص ہوئے کچھ کا جواب تو آپ کے جواب سے جو مولوی محمد علی نزیل دہلی کے سوالات کا تھا ہو گیا، مگر اکثر باقی رہ گئے ہیں۔ (مناظرہ عجیبہ، ص ۶۱)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ''حضرت نانوتوی'' نے ''مولانا محمد علیؒ'' کے اشکالات کا جواب تحریر فرمایا تھا اور وہ جواب اہل علم کی نگاہوں کے سامنے سے گزرا بھی تھا۔

''مولانا امروہویؒ'' کی ''ازالۃ الوسواس'' اور ''حضرت نانوتویؒ'' کا مذکورہ بالا جواب ابھی تک غیر مطبوعہ ہیں، حضرت الاستاذ مفتی سعید صاحب پالن پوری کی تحقیق کے مطابق ان

دونوں کا قلمی نسخہ پھلاودہ کے کتب خانے میں موجود ہے اگر وہ تحریریں ابھی تک وہاں ہیں تو وارثان علوم قاسمیہ پر فرض ہے کہ ان کو منظر عام پر لانے کی کوشش کرے کیونکہ ''تحذیر'' کے مشتملات ومندرجات کے سمجھنے میں ''حضرت نانوتویؒ'' اور آپ کے شاگردوں کی تحریریں جتنی کارگر ومفید ہیں بعد کے لوگوں کی تحریریں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہیں۔

تحذیر الناس میری نظر میں:

مشہور عالم دین ''مولانا پیر کرم علی شاہؒ'' سرگودھا سے کسی نے ''تحذیر الناس'' کی بابت سوال کیا تو آپ نے جواب میں ایک مفصل فتوی تحریر فرمایا آپ لکھتے ہیں:

> ''حضرت قاسم العلوم'' کی تصنیف لطیف مسمی بہ ''تحذیر الناس'' کو متعدد بار غور و تامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف وسرور حاصل ہوا، علمائے حق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلام متشابہات میں سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیطۂ امکان سے خارج ہے، لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہٗ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کے لئے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے، رہے فریفتگان حسن مصطفوی تو ان کے بے قرار دلوں اور بے تاب نگاہوں کی وارفتگیوں میں اضافے کا ہزار سامان موجود ہے، آپ نے اپنے علمی، دقیق اور محققانہ انداز میں یہ واضح کرنے کی سعی فرمائی ہے کہ ہر قسم کا کمال: علمی ہو یا عملی حسی ہو یا معنوی ظاہری ہو یا باطنی حضور کا ذاتی کمال ہے، اور جہاں کہیں کم وبیش اس کی جلوہ نمائی ہے وہ اثر نظر فیض حبیب کبریاء ہے۔ (مقدمہ بر تحذیر الناس علامہ خالد محمود)

''پیر کرم علی شاہؒ'' کے اس تفصیلی فتوی نے ایک مخصوص طبقے میں ہیجان پیدا کر دیا اور قریب تھا کہ آپ پر کفر کے فتوے صادر ہوتے آپ نے ''تحذیر الناس میری نظر میں'' تحریر فرما کر دونوں طبقوں کو خوش کرنے کی کوشش کی یعنی جہاں تحذیر الناس کے بعض مباحث پر نقد و

تنقید کی تو تو وہی بعض مباحث کی اپنے انداز میں تشریح وتوضیح کا فریضہ بھی انجام دیا، جس سے تحذیر الناس کے کئی مقامات کو سمجھنے میں کافی آسانی وسہولت ہو جاتی ہے البتہ تشریح وتوضیح میں بھی آپ کا قلم کبھی کبھی جادۂ حق سے منحرف ہوتا نظر آتا ہے جو توجیہ الکلام بما لا یرضی بہ قائلہ کی قبیل سے ہے۔

حاشیہ تحذیر الناس:

''حضرت نانوتوی'' کے علوم ومعارف اور آپ کی تصنیفات وتالیفات کا یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی گئی، خاص کر ''تحذیر الناس'' کے سلسلے میں اخلاف نے اس بات کو یکسر فراموش کر دیا کہ یہ کتاب علوم ومعارف کا خزینہ اور فضلیت محمدی پر حرف آخر کا درجہ بھی رکھتی ہے، اخلاف کی تمام تر توجہ صرف ''تحذیر'' کی متنازعہ عبارتوں پر ہی مرکوز تھی، حالانکہ وہ ایک ضمنی بحث تھی، اس پر خامہ فرسائی سے زیادہ پوری کتاب کی تشریح وتوضیح وقت کی ضرورت تھی، اور کتاب کی اصل خدمت بھی وہی تھی لیکن.....

اللہ جزائے خیر دے ''مولانا عزیز الرحمن ایم، اے'' کو جنھوں نے پہلی بار ''تحذیر الناس'' پر حاشیہ لکھا اور پوری کتاب کا خلاصہ حاشیہ میں ذکر کر دیا، گو کہ بعض مقامات پر حد سے زیادہ ایجاز کی وجہ سے، بعض مقامات پر مراد نانوتوی تک نہ پہونچ پانے کی وجہ سے اور بعض تشریح طلب مقامات سے خاموشی کے ساتھ گزر جانے کی وجہ کتاب بہت اچھی طرح حل نہیں ہو سکی پھر بھی بحیثیت مجموعی یہ ایک عمدہ حاشیہ ہے، علوم نانوتوی سے دلچسپی رکھنے والے اس کی روشنی میں آگے کا سفر بآسانی طے کر سکتے ہیں۔ (تحذیر الناس مطبوعہ ادارۃ القران گوجرانوالہ، بار اشاعت ۲۰۰۱)

تحذیر الناس دار العلوم وقف:

علوم قاسمیہ کے خوشہ چینوں کی طرح ناشران کتب نے بھی ''تحذیر الناس'' سے غفلت

وکوتاہی میں کوئی کمی نہیں کی، ڈیڑھ صدی سے سینکڑوں بار شائع ہونے کے باوجود ابھی تک اس کی تصحیح وغیرہ کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی تھی، جس کی وجہ سے بہت سی خامیاں، بہت سی غلطیاں کتاب میں در آئی تھیں۔

حجۃ الاسلام اکیڈمی —— حضرت نانوتوی کے علوم ومعارف کی نشر واشاعت جس کے اساسی اہداف میں شامل —— ہے نے نہایت اہتمام کے ساتھ تحذیر الناس شائع کیا ہے، جس میں مندرجہ ذیل چیزوں کا خصوصی خیال کیا گیا ہے۔

(۱) تحذیر الناس کے متعدد نسخوں سے مقابلہ ومقارنت کے ذریعے اغلاط کی تصحیح کا اہتمام کیا گیا ہے۔

(۲) ایات وروایات کی تحقیق وتخریج کی طرف خصوصی توجہ دی گئی ہے۔

(۳) جدید اسلوب نگارش اور علامات ترقیم کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔

(۴) مضمون کی موقع ومناسبت سے اصل متن پر ذیلی عناوین لگائے گئے ہیں۔

(تحذیر الناس، حجۃ الاسلام اکیڈمی، دار العلوم وقف بار اشاعت ۲۰۱۷)

یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تحذیر کا یہ نسخہ سابقہ تمام نسخوں میں سب سے عمدہ اور بہتر ہے، بایں معنی کہ اس سے استفادہ کرنا سب سے اسان ہے، البتہ اگر تحذیر کے مضامین کا خلاصہ حاشیہ میں ذکر کر دیا جاتا اور ذیلی عنوان پر مزید توجہ دی گئی ہوتی تو اس میں چار چاند لگ جاتے۔

''تحذیر الناس'' کے موضوع پر معرض وجود میں آنے والی یہ چند تخلیقات تھیں جس سے دنیا کسی نہ کسی صورت آگاہ ہو پائی لیکن خاکسار کا وجدان کہتا ہے کہ حضرت نانوتوی کے شاگردوں نے اس موضوع پر اور بھی بہت کچھ لکھا ہوگا، کیونکہ تحذیر کی طباعت کے بعد جس

طرح کا ہنگامہ کھڑا کیا گیا، تکفیر و تفسیق کے فتووں کا بازار گرم ہوا، تحریر و تقریر کے ذریعے طوفان اٹھانے کی کوشش کی گئی ، ایسے میں ناممکن تھا کہ وفا شعار شاگرد خاموش رہتے اور دفاع تحذیر الناس کے لئے خود کو وقف نہ کرتے اور ''مولانا سید احمد حسن'' کے ایک مکتوب سے اس جانب اشارہ بھی ملتا ہے چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مولوی اسماعیل علی گڑھیؒ اور مولوی فخر الحسن گنگوہیؒ' وغیرہما نے اس رسالے کو سنا ان کو بہت پسند آیا، وہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی ''تحذیر الناس'' پر کئے جانے والے اعتراضات کے جواب کا ارادہ رکھتے ہیں اگر یہ تحریر بھی جواب دیتے وقت ہمارے سامنے ہو تو بہت اچھا ہے۔ (مکتوب سید العلماء، ص ۹۴)

''تحذیر الناس'' کے موضوع پر اس کے علاوہ بھی بہت کچھ لکھا گیا مثلاً ''علامہ خالد محمود'' کا معرکہ الارا مقدمہ ، ''مولانا منظور نعمانیؒ'' کا مضمون ، '' مولانا ادریس کاندھلویؒ'' کا تکملہ وغیرہ وغیرہ لیکن ان سب کا تعلق پوری کتاب سے نہ ہو کر صرف چند عبارتوں تک محدود ہے۔

* * * * *

تبصرۂ کتب

تبصرہ نگار: شرف الدین عظیم الاعظمی*

ڈاکٹر الیاس اعظمی بحیثیت مصنف

مصنف: سفیر اختر اسلام آباد

مرتب: عرفات اعجاز اعظمی

ڈاکٹر الیاس اعظمی ادب وانشاء، فکر وتحقیق اور تحریر وتصنیف کی دنیا کا بہت بڑا اور قد آور نام ہے، انھوں نے سرکاری اسکول کی تدریسی ملازمت کے باوجود مختلف موضوعات پر اس قدر وسیع کارنامے انجام دیئے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، ان کی خدمات کا دائرہ متنوع بھی ہے اور وقیع بھی، ڈاکٹر صاحب نے سوانح بھی لکھی ہے اور تاریخ بھی، خاکے بھی لکھے ہیں اور تبصرے وتجزیے بھی، تحقیقی دریافتیں بھی کی ہیں اور فن تجوید میں بھی بیش بہا معلومات فراہم کی ہیں، لیکن ان تمام اصناف میں جس موضوع پر انھوں نے تاریخ ساز اور شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں، اور اس کے نتیجے میں عظمتوں کے آسمان تک رسائی حاصل کی، وہ جہان شبلی اور شبلی شناسی ہے، اس موضوع پر ڈاکٹر صاحب نے اس قدر عظیم الشان اور وسیع خدمات انجام دی ہیں اور فکر شبلی وعلوم شبلی کی متنوع جہات کو اس طرح آشکارا کیا ہے کہ علمی وتحقیقی دنیا میں ماہر شبلیات ان کی شناخت بن گئی ہے۔

* امام وخطیب: جامع انوار گوونڈی، شیواجی نگر، ممبئی

ڈاکٹر صاحب کے تخلیقی و تحقیقی قلم سے اب تک مختلف موضوعات پر ـــــ جن میں گراں قدر تحقیقات وتصنیفات کے علاوہ ترتیب وتدوین اور تعلیقات بھی شامل ہیں ـــــ پینتالیس کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں، اور اپنی وقعت وعلمیت کی بنا پر علمی وادبی حلقوں کو ورطہ حیرت میں ڈال کر اپنی طرف توجہ مرکوز کرنے پر مجبور کر دیا ہے، ان فتوحات میں تقریباً بیس تصنیفات تو صرف جہان شبلی سے متعلق ہے، اہل ادب اور اہل نظر نے ان کتابوں پر تبصرے لکھے، تجزیاتی مضامین لکھے، مفصل تحریروں کے ذریعے انہیں خراج تحسین پیش کیا، قابل ذکر بات یہ ھے کہ ان تبصرہ نگاروں میں وہ شخصیات بھی ہیں جو فکر ونظر کے اعتبار سے امتیازی شان رکھتی ہیں، اور علم وتحقیق کی دنیا میں انہیں مرجعیت حاصل ہے، مثلا پرفیسر ریاض الرحمان خان شیروانی، مولانا عمیر الصدیق ندوی ضیاء الدین اصلاحی، پروفیسر خورشید نعمانی اور شمس الرحمن فاروقی وغیرہم۔ انہیں قدردانوں میں ایک نمایاں نام ڈاکٹر سفیر اختر پاکستان کا بھی ہے، جنھوں نے ڈاکٹر صاحب کی تحقیقات کو نہ صرف قدر کی نگاہ سے دیکھا بلکہ اپنے عالمانہ ومورخانہ قلم سے بیسیوں گراں قدر تبصرے لکھ کر جہاں ڈاکٹر صاحب کی فتوحات کی عظمت میں اضافہ کیا وہیں انہوں نے دبستان شبلی اور فکر شبلی سے گہری وابستگی کا بھی ثبوت فراہم کیا۔

ڈاکٹر سفیر اختر صاحب بہترین نثر نگار، دیدہ ور مورخ، قدیم وجدید ماخذ ومصادر پر گہری نظر رکھنے والے محقق ومفکر، وسیع النظر مبصر اور جہان شبلی پر مورخانہ نگاہ رکھنے والے دانشور ہیں، انھوں نے پنجاب یونیورسٹی سے لیکر نیویارک تک کی عالمی درسگاہوں سے فیض حاصل کیا ہے اور ان سرچشموں سے علم کی پیاس بجھائی ہے، ان کے قلم سے اب تک بیس کتابیں مختلف موضوعات پر منصۂ شہود پر آ کر اہل علم سے داد تحقیق وصول کر چکی ہیں، اور درج ذیل تحقیقی

ومعیاری رسالے و جرائد مثلاً جہات الاسلام، پنجاب یونیورسٹی، پیام اخوت، اکیڈمی اسلام آباد، نقطہ نظر اسلام آباد، اخبار اردو اسلام آباد، سہ ماہی فکر ونظر اسلام آباد، کتاب شناسی اسلام آباد، کوہ ودمن گورمنٹ کالج مری میں مکمل آب وتاب کے ساتھ ان کا تحقیقی تاریخی اور تنقیدی سفر جاری ہے، فکر ونظر اسلام آباد اور اخبار اردو اسلام آباد کے تو وہ مدیر ہیں اور دیگر مذکورہ رسالوں میں کسی نہ کسی منصب پر فائز ہیں، بیک وقت اتنے رسالوں میں ان کے مناصب سے ان کی تخلیقی سرگرمیوں کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، سفیر اختر صاحب دبستان شبلی کے قدرداں بھی ہیں اور اس کے زبردست سیاح بھی، اسی وجہ سے ان کی نگاہ میں ڈاکٹر الیاس اعظمی صاحب کی بڑی قدر ہے، انھوں نے ڈاکٹر صاحب کی ۸ / کتابیں جو دارالمصنفین کی تاریخی خدمات، عظمت کے نشان، شاہ معین الدین احمد ندوی حیات وخدمات، متعلقات شبلی، مطالعات ومشاہدات، کتابیات شبلی، مکتوبات شبلی پر ایک نظر شبلی شناسی کے سو سال، کے نام سے منظر عام پر آئیں ان پر، ۹ تبصرے کئے ہیں، تبصرہ نگار نے ان تحریروں میں اس قدر عرق ریزی، جانفشانی اور تحقیق وجستجو سے کام لیا ہے کہ وہ متعلقہ موضوع کا پورا خلاصہ اور نچوڑ کی حیثیت اختیار کرگئی ہیں۔

یہ تبصرے نہایت جامع، موضوع کو محیط، اور معلومات سے مملو ہیں، اور علم وتحقیق کے حوالے سے شاہکار کی حیثیت رکھتے ہیں ان میں مصنف کا شاندار اجمالی تعارف بھی ہے اور موضوع کے حوالے سے مستند معلومات بھی، تحقیقات پر تحسین بھی ہے اور معمولی سے سقم سے لیکر نمایاں سہو تک پر عالمانہ اور مورخانہ گرفت بھی، ان کے تبصرے پڑھ کر جہاں ان کی بالغ نظری، باریک بینی، دیدہ وری اور مطالعات شبلی پر دسترس کا اندازہ ہوتا ہے وہیں، تبصرہ نگاری میں ان کی فنی عظمت، تنقیدی مہارت، اور محققانہ عظمت بھی سامنے آتی ہے، سفیر اختر صاحب کی

یہ تحریریں پاکستان کے مذکورہ جرائد ورسالوں میں قید تھیں اور اہل ہند کے قدردانوں کی دسترس سے باہر تھیں ان کی وقعت وعلمیت کا تقاضا تھا کہ انہیں ترتیب دے کر کتابی شکل دیدی جائے تاکہ ہندوستان کے علاوہ دوسرے ممالک میں بھی ان سے استفادہ آسان ہوجائے، گرامی قدر رفیق مکرم مولانا محمد عرفات اعجاز صاحب اعظمی جو ڈاکٹر الیاس اعظمی صاحب کے نہایت معتمد اوران کے کارناموں پر گہری نظر رکھتے ہیں، انھوں نے اس تقاضے کو شدت سے محسوس کیا اور جمع وترتیب کے لئے اپنی توجہ مرکوز کردی، ان کی گراں قدر محنتیں رنگ لائیں اور ،،ڈاکٹر الیاس اعظمی بحیثیت مصنف،، کی شکل میں ایک قیمتی متاع فکر وتحقیق کے افق پر نمودار ہوگئی، مولانا عرفات صاحب نے اس کتاب پر نہایت مفصل جامع ،خوبصورت اور شاندار مقدمہ بھی لکھا ہے جس میں ڈاکٹر الیاس اعظمی صاحب کی علمی وفکری بلندی اوران کے کارناموں کی تصویروں کے ساتھ ساتھ تبصرہ نگار جناب ڈاکٹر سفیر اختر صاحب کی صلاحیتوں، کارناموں اوران کی علمی وفکری بصیرت اوران کے وسیع کارناموں کی بھی جھلک آ گئی ہے، زبان وادب اور فکر نظر کی معلومات کے حوالے سے یہ کتاب اس قابل ہے اسے پہلی فرصت میں حاصل کیا جائے اور اس کے مطالعے سے دل ونگاہ کو روشن کیا جائے، مکتبہ جامعہ اردو بازار دلی، اور اعظمی کتاب گھر پیراڈائز ٹریولس اعظم گڈھ رابطہ نمبر 9695174799 سے یہ کتاب حاصل کی جاسکتی ہے۔

*****

نام کتاب: مہاراشٹر کے قلم کار
مصنف: احسن امام احسن
صفحات: 119
مطبع: عرشیہ پبلی کیشنز دہلی
قیمت: سو روپے

اردو ادب کا نخلستان عصر حاضر کے جن ادیبوں سے شاداب ہے، اس کا گلشن جن

نثر نگاروں سے روشن ہے اس کی وادی جاں نواز جن سخنوروں سے آباد ہے اس میں احسن امام احسن کا نام بہت نمایاں ہے، وہ نثر نگار بھی ہیں اور تبصرہ نگار بھی، شاعر بھی ہیں اور خاکہ نگار بھی، اردو ادب سے ان کا رشتہ جنون کی حد تک گہرا اور مستحکم ہے، جو کئی دہائیوں پر محیط ہے، ملک کے معروف ادبی رسائل وجرائد میں ان کی نگارشات نے صحت مند ادبی رجحانات میں یقینی طور پر اضافہ کیا ہے۔

احسن امام احسن کا تعلق ہزاری باغ صوبہ جھارکھنڈ سے ہے ان کا تخلیقی سفر کالج یونیورسٹی کے زمانے سے شروع ہوا اور بلا انقطاع پوری آب وتاب کے ساتھ جاری ہے، یہ سفر شعری صنف میں بھی ہے اور نثری ادب میں بھی، تعلیمی مراحل کی تکمیل کے بعد بھونیشور اڑیسہ میں سرکاری ملازمت سے وابستہ ہوئے، یہاں تخلیقی خدمات کے لئے نسبتاً ماحول میسر تھا جس کی وجہ سے ادبی فتوحات اور تخلیقی نگارشات کے سفر میں تیز رفتاری آئی، اور اردو جہان کی حدود ان کی ادبی وفکری تحریروں کے باعث وسعتوں سے ہم کنار ہوئیں۔

زیر نظر کتاب ''مہاراشٹر کے قلم کار'' جہاں احسن امام احسن صاحب کے ادبی مقام ومرتبہ کا تعین کرتی ہے وہیں ان کی فنی صلاحیتوں، تخلیقی شعور اور فکری گہرائی کا بھی ثبوت فراہم کرتی ہے، مہاراشٹر کی سرزمین اردو کے فروغ اس کی ترویج واشاعت، اس کے استحکام وارتقاء اور اس کی زلف برہم کی تہذیب کے حوالے سے ایک شاندار تاریخ رکھتی ہے اور عصر حاضر میں بھی اس کی تعمیر وترقی میں اس کا نمایاں کردار ہے، احسن امام احسن صاحب کی پارکھ نگاہوں سے اس خطہ کی درخشاں تاریخ مستور نہیں ہوسکتی تھی کہ ایک ادیب و دانشور کی نگاہیں ادبی کائنات کی ساری وسعتوں کو محیط ہوتی ہیں، انہیں احساس تھا کہ ادبی جہان کو اپنی تنویروں سے اجالا بخشنے والے بے شمار نجوم وکواکب جو اردو ادب کی ان گنت جہتوں کو روشن کر کے افق میں

روپوش ہو گئے یا موجود تو ہیں مگر گمنامی کے جزیروں میں ان کی زندگی بسر ہو رہی ہے، اگر ان کی طرف اہل نظر کی توجہ نہ ہوئی تو دنیا ان کے جلائے ہوئے چراغ سے محروم ہو جائے گی۔

اس جذبے کے ساتھ احسن امام احسن نے اس خطہ کے قدیم قلم کاروں، نثر نگاروں کے علاوہ موجودہ عہد کے معاصر دانشوروں، سخنوروں اور شاعروں پر قلم اٹھایا، ان کے خاکے لکھے، ان کے کارناموں کو اجاگر کیا، ان کی خدمات پر روشنی ڈالی، ان کے تخلیقی شعور، اور تخیلات کی بلندیوں سے لوگوں کو آگاہ کرنے کی قابل قدر کوشش کی، اور اس حقیقت کے اعتراف میں ذرا بھی تامل نہیں ہے کہ مصنف اپنی اس عظیم کوشش اور اپنے مقصد میں مکمل طور سے کامیاب ہیں۔

ادبی تاریخ کے مطالعے کے متنوع پہلوؤں میں جو مختلف طریقے رائج ہیں ان میں مخصوص خطے کی علمی شخصیات کا مطالعہ بھی نہ صرف شامل بلکہ ہمیشہ اہل فن کی نگاہوں کا مرکز رہا ہے جنہیں عام طور سے تذکرے، خاکے اور سوانح کا نام دیا جاتا ہے، احسن امام صاحب اس کتاب میں اسی دشت کی سیاحی کی تفصیل اور اسی صنف کے مطالعہ کی روداد لکھی ہے، جو مہاراشٹر کے معاصر شعرا و ادبا، اہل قلم و دانشور کے زریں نقوش اور ان کے سخنورانہ و ادیبانہ شعور کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔

احسن امام احسن صاحب نے بڑے سلیقے سے ان کی صلاحیتوں پر روشنی ڈالی ہے، ان کے افکار و خیالات کی وسعت اور ان کی جد و جہد کے علاوہ ان کے تخلیقی عمل کی جہتوں، اور ان کے اسلوبِ نگارش کی خصوصیات کو اجاگر کیا ہے، اور فنی نقطۂ نگاہ سے شعر و ادب میں ان کے مقام و مرتبہ کے تعین کی کوشش کی ہے، تاہم انھوں نے نثر و نظم پر بہت زیادہ تنقیدی نگاہ نہیں ڈالی ہے بلکہ سادہ اسلوب میں زیر عنوان شخصیات کے فنی کمالات اور کارناموں پر اپنی توجہ

مرکوز کی ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ جہاں انھوں نے شعری محاسن اور نثری نگارشات کے جمال کو نہایت فراخدلی اور کشادگی سے آشکارا کیا ہے وہیں انہوں نے کہیں کہیں فنی اعتبار سے نقد کا ہلکا سا اشارہ بھی کیا ہے۔اس کتاب میں جو بیس شخصیات کا ذکر ہے جن میں شعراء بھی ہیں، ادبا بھی، تبصرہ نگار بھی ہیں، نثر نگار بھی، نقاد بھی ہیں اور افسانہ نگار بھی، ان ستاروں میں سیدہ مہر، ڈاکٹر محبوب راہی، ادیب اسلم مرزا، وکیل نجیب، نذیر فتح پوری، عبدالرحیم نشتر، جاوید ناصر، ظفر کلیم، ڈاکٹر جاوید احمد، عارف خورشید، جاوید ندیم، کلیم ضیاء اور فرحان حنیف، خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

احسن امام احسن صاحب کی تحریروں کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ ادب کی تنویروں کے ساتھ ساتھ قاری کے دل پر سخن فہمی، نکتہ رسی، تخلیقیت، اور اور صحت مند تاریخی ادبی شعور کا نقش چھوڑ جاتی ہیں، وہ بہت بے ساختہ لکھتے ہیں مگر فنی خوبیوں اور لسانی محاسن کو صرف نظر کرنے کے سلسلے میں کوئی سمجھوتا نہیں کرتے، لفظیات کے استعمال اور ان کے انتخاب پر انہیں خاصی قدرت ہے، اور انہیں سلیقے سے استعمال کر کے وہ ادب کا نمونہ بنا دیتے ہیں، زیر نظر کتاب کا یہ اقتباس شاید اس دعوے کی تصدیق کرے:

،،ڈاکٹر محبوب راہی اردو ادب میں ہر زبان پر رہنے والا اور ہر دل میں بسنے والا نام ہے کانٹوں میں الجھی ان کی زندگی ارتقاء کی سمت ورفتار کو چیرتی ہوئی آگے نکل گئی ہے اور خوشی وسرشاری ان کی باتوں اور تحریروں میں جھلکتی ہے، ان کے یہاں تلخی اور مایوسی کا سایہ رہا ہے مگر اسے پروقار خوشگوار بنانے میں انھوں نے جو جدوجہد کی ہے وہ ہندوستان کی ادبی تاریخ میں سنہرے حرفوں سے لکھا جائے گا، انھوں نے اپنا مختلف اسلوب وانداز اس پرآشوب دور میں بھی پروقار طریقے سے برقرار رکھا ہے، ڈاکٹر محبوب راہی نے اپنے جذبے، احساس اور اپنے تجربے ومشاہدے کو اپنی شاعری میں

خوبصورت انداز میں پرونے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اس میں کامیابی کی منزل سے ہم کنار ہوئے ہیں۔ (۳۷)

ذیل کا یہ مختصر سا اقتباس بھی احسن صاحب کی تحریروں کی قدر و قیمت کی شناخت میں بہت واضح رہنمائی کرتا ہے۔

''نذیر فتح پوری نے ادب کی دنیا میں پونا کے نام کو بلندی عطا کی ہے آیئے اب تھوڑی سی بات نذیر فتح پوری کی شاعری پر کی جائے، نذیر بے نظیر ہیں، ان کی شاعری بڑی مستحکم ہے، نذیر فتح پوری نے زندگی میں جس اتار چڑھاؤ کا سامنا کیا ہے، جس نشیب و فراز کی پگڈنڈیوں پر چلے ہیں تجربات کی جس بھٹی میں تپے ہیں، مشاہدات کی جس منزل کو پار کیا ہے وہ ان کی شاعری میں روشن ستارے کی طرح چمکتے ہیں''۔ (۶۳)

کہیں کہیں لسانی اعتبار سے تذکیر و تانیث سے متعلق کچھ سقم بھی اس کتاب میں نظر آیا شاید یہ کمپیوٹر کا کرشمہ یا کتابت کی غلطی ہے، مثلاً سیدہ مہر کے حالات میں ایک جگہ یہ جملہ،، ان کے یہاں احتجاج کا دھیما لہجہ سناٹے کو چیرتی ہوئی قاری کے ذہن میں پیوست ہو جاتی ہے،، لفظ لہجہ مذکر ہے اس لیے اس سے متعلق جو خبر ہے وہ بھی تذکیر ہی کے دائرے میں آئے گی، یوں ہونا چاہیے،، سناٹے کو چیرتا ہوا قاری کے ذہن میں پیوست ہو جاتا ہے۔ (۲۶) اسی طرح تہذیب و تمدن بھی مذکر ہے مگر یہاں مؤنث استعمال ہوا ہے، یعنی تہذیب و تمدن کی جھلک جگہ جگہ دیکھنے کو مل جائیں گی۔ (۳۰) رسائل کے صفحات محبوب راہی کی تخلیقات کی منتظر رہتی ہیں،، صفحات مذکر ہے، اس کے لحاظ سے خبر کو بھی مذکر ہونا چاہیے، اس لئے کہ خبر کا تعلق صفحات سے ہے نہ کہ تخلیقات سے (۳۷) عین ممکن ہے کہ یہ پروف ریڈنگ میں بھی کمی کا نتیجہ ہو، چند مقامات پر اس طرح کی فروگذاشت کو سہو تو کہا جا سکتا ہے مگر ایسا سقم بھی نہیں ہے کہ کتاب کی عظمت پر اس کی وجہ حرف آ جائے۔

خلاصہ یہ کہ خطہ مہاراشٹر کی ادبی کائنات سے آگہی اور اس سرزمین کی ادب کے حوالے سے زرخیزی کی معلومات، اور ادب کی شعری ونثری خدمات کے صدرنگ جہانوں سے متعلق شعور و ادراک کی راہ میں یہ کتاب یقیناً سنگ میل ثابت ہوگی اور اس خطے کے بارے میں علمی وادبی مطالعے کا نہ صرف سفر آسان ہوگا بلکہ شیدائیان ادب کی تحقیق وجستجو کی لے بھی اس کے ذریعے تیز اور روشن ہوگی۔

❊ ❊ ❊ ❊ ❊

مراسلات

انتہائی کم وقت میں، ایک خالص علمی، ادبی، فقہی، فکری و تحقیقی ماہنامے کا اجراء عمل میں لے آنا اور ظاہر و باطن ہر دو حیثیتوں سے خوب سے خوب تر اور جاذب نظر بنا کر پیش کر دینا، جواں سال عالم دین، بہترین وشستہ نویس صاحب قلم، عزیز مکرم ''مفتی شرف الدین عظیم قاسمی زید مجدہ'' کے اعلی علمی ادبی، اور فکری ذوق کا بیّن ثبوت ہے، مولانا موصوف کی ادارت میں اس مجلہ مبارکہ کی اشاعت اس رسالہ کے لیے فال نیک ہے۔

مشمولات کے تنوع، جدت اور علمیت وادبیت کے باعث امید ہے کہ یہ رسالہ صرف ایک روایتی رسالہ نہیں؛ بلکہ قرآن وسنت کا ترجمان، فکر وفن کا پاسبان اور علم وادب کا شاہکار رسالہ ہوگا اور ملک وبیرون ملک کے نامور قلم کار اور دین ودنیا پر گہری نظر رکھنے والے علماء و ادباء، نقاد، مفکرین وارباب افتاء کے گراں قدر تحقیقی وتنقیدی فکری واصلاحی مضامین ومقالات شامل اشاعت ہوا کریں گے ان شاء اللہ! اس عظیم کارنامے پر پوری ٹیم کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اور دعاء کرتا ہوں کہ اللہ تعالی اس دینی، ادبی وعلمی شہ پارے کو قبول عام اور ''شرف عظیم'' عطا کرے جس لگن، محنت، شوق وولولہ، تندہی اور جذبہ وخلوص کے ساتھ ''آغاز کار'' ہوا ہے اسی رفتار کے ساتھ جانب منزل رواں دواں رہیں، کسی موڑ پر بھی منزل کی کٹھنائیوں اور تعب وتھکن سے آشنا نہ ہوں میری طرف سے پھر ڈھیر ساری مبارکبادی قبول فرمائیں۔

ملے گا منزل مقصود کا اسی کو سراغ
اندھیری شب میں ہو چیتے کی آنکھ جس کا چراغ

شکیل منصور القاسمی جنوبی امریکہ
مرکز البحوث الإسلامیۃ العالمی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کا ارسال کردہ اولین ماہنامہ "الماس" اپنی الگ پہچان اور چمک دمک کے ساتھ باصرہ نواز ہوا، جستہ جستہ مطالعہ کی بجائے سرورق کے پہلے لفظ سے پس ورق کے آخری حرف تک پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، جملہ دانشمند محررین کی نگارشات قابل سراہنا ہے، بے مقصد کی خانہ فرسائی کا کہیں شبہ نہیں ہوتا، اعلی وقار اور معیار ورق ورق برقرار ہے، یہ آپ کی مدیرانہ عظمت اور معاونین کی صلاحیت کا جیتا جاگتا کرشمہ ہے الغرض ہر صفحہ ہر سطر متاثر کن ہے، مجلس مشاورت میں اس درویش کا نام دیکھ کر اپنی بے بضاعتی، بے علمی کے باعث خود ہی شرمندہ ہوا بہر کیف رسالہ کے روشن مستقبل کے لیے دل سے دعائیں نکلیں، دینی مضامین کی بہتات سے کہیں کسی مسلک کا رسالہ پہ لیبل نہ لگے اس بات کا خیال رکھتے ہوئے ادب سے بھی اس کا رشتہ مستحکم ہونا ضروری ہے ، بجھے بجھے سے حالات اور ماحول وموسم میں ایک رسالہ کا منصۂ شہود پر آنا ایسا ہی جیسے، امید کی کرن سے ادب دنیا کا نور نور ہونا۔ جی ہاں! قدرے ایمائیت اور رمزیت سے کام لے رہا ہوں کیوں کہ سمجھ دار کو سمجھانے سے کہیں خود ناسمجھ نہ ہو جاؤں، بذات خود آپ کا ادب رنگ پکا اور سچا ہے، لہذا ہمیں قوی امید ہے یہ رسالہ ادب جہان میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، اس ادب درویش کی دعائیں کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں اور رہیں گی۔

والسلام

آپ کا خیر خواہ منظر خیامی

کوکن رائے گڈھ مہاراشٹر

خوشخبری

ادارہ" الماس" یہ مژدۂ جانفزاں سناتے ہوئے خوشی محسوس کررہا ہے کہ" ماہنامہ الماس" کے اگست کا شمارہ محدث عصر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی استاذ دارالعلوم دیوبند سے منسوب" مولانا حبیب الرحمن الاعظمی نمبر" ہوگا، جس میں اپ کی ہشت پہلو شخصیت کی نمایاں خصوصیات کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے ،خصوصا" دارالعلوم دیوبند میں آپ کی تدریس وتعلیم، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کی اداریہ نویسی، قلم وقرطاس سے حوالے سے آپ خدمات، دشت تحقیق میں آپ کی آبلہ پائی، جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے آپ کی سیاسی بصیرت ،فن اسماء الرجال پر اپ کی دسترس، اور معاصرین میں اپ کا مقام ومرتبہ" جیسے موضوعات شمارے کے اہم عناوین ہونگے ادارے نے نمبر کو وقیع اور اہم بنانے کے لئے ملک کے نامور علماء و چوٹی کے قلم کاروں کی خدمات حاصل کی ہیں، باری تعالی سے دعا ہے کہ ہماری نخل تمنا امیدوں کے گل وغنچوں سے لہلہا اٹھے۔ آمین یارب العالمین

نوٹ:

ماہنامہ الماس کے حالیہ تمام شمارے برقی ہونگے، البتہ اہل علم کی خدمت میں مولانا حبیب الرحمن نمبر مطبوعہ شکل میں پیش کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ